رنگِ گلنار

سرورعالم رازسرورؔ

Dunya-e-Raz
5433 Loop 205, #195
Temple, TX 76502, USA

بسمہ

انتساب

اپنے عزیز داماد

سید محمد عقیل (ایم ڈی)

کے نام

آفاقہا گردیدہ اَم لیکن تو چیزے دیگری

رومیں ہے رخشِ عمر

نام تخلص	سرورعالم رازسرورؔ
والد گرامی	ابوالفاضل محمد صادق رازؔ چاندپوری (مرحوم)
والدہ محترمہ	رشید فاطمہ رازی (مرحومہ)
پیدائش	۱۶/مارچ ۱۹۳۵ء، جبل پور، مدھیہ پردیش، ہندوستان
شریک حیات	قیصر رازی
اولاد	صبا رازی سید (ایم ڈی)
	سلمان سرور رازی (ایم ڈی)
داماد	سید محمد عقیل (ایم ڈی)
نواسیاں	ثنا سید (نگار)، نجاح سید (گلنار)، عروج سید (شہوار)

تعلیم	بی ایس سی (انجینیر نگ) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ہندوستان
	ایم ایس سی (انجینیر نگ): امریکہ
ملازمت	لیکچرر، مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ، ہندوستان (۶۱ء تا ۷۱ء)
	سِول انجینیر ،امریکہ (۷۱ء تا ۹۵ء)
قیام امریکہ	۶۴ء تا ۶۸ء بسلسلۂ تعلیم
ہجرت	۱۹۷۱ء
تصانیف	سِول انجینیر نگ پر دو کتابیں (انگریزی)
	شہرِ نگار (مجموعۂ غزلیات)
	رنگِ گلنار (مجموعۂ غزلیات ومنظومات)
	کتابِ حج وعمرہ (انگریزی)
	باقیاتِ راز (حضرت ابوالفاضل رازؔ چاندپوری مرحوم کی شاعری کا تعارفی مطالعہ)
	تیسرا ہاتھ (افسانوں کا مجموعہ)

فہرست

صفحہ نمبر

تقریب
جب جب وہ سرِ طورِ تمنا نظر آیا
نظر جب سے وہ مہرباں ہو گئی ہے
دہر میں حرفِ محبت عام ہونا چاہیئے
سودا خودی کا تھا نہ ہمیں بے خودی کا تھا
نیازِ عشق بتاں ہے کیسا، غرورِ حسن وشباب کیا ہے
تلاشِ لالہ وگل فکرِ رنگ وبو نہ رہی
بیانِ قصۂ بے چارگی کیا جائے
یہ اچھا ہوا وہ خفا ہو گیا
اگر ازل تھا تو کیا ابد ہے، مکاں ہے، یا لامکاں نہیں ہے
اندازِ خزاں رنگِ بہاراں نہیں دیکھا
بھاتی نہیں دنیائے سخن ساز کی باتیں
محبت میں آہِ رسا چاہتا ہوں
سرور جگر کے داغ نمایاں نہ کیجئے
رنگ وخوشبو، شباب ورعنائی
مری فکرِ رسا جب مائلِ پرواز ہوتی ہے
قصۂ غم کہتے کہتے خود فسانا ہو گئے
ہمیں کیا کیا ملا اس آستاں سے
اگر تو ہر نفسِ فطرت کا ہم آواز ہو جائے
یہ دنیا شہرِ ناپرساں، زمانہ یہ سیاست کا
ہوئے ہیں اہلِ جہاں سارے مہرباں کیسے
تنگ آ چکے ہیں یورشِ بے چارگی سے ہم
سامنے ہے مرے لیکن نظر آتا بھی نہیں
زیست ناشاد تھی اور موت کا ساماں نہ ہوا
کوئی صورت قرار کی نہ رہی
شکوۂ دوست نہیں، تہمتِ اغیار نہیں
جو برہم کسی کی نظر دیکھتا ہوں

کچھ اپنی خوش گمانی کا، کچھ ان کی بدگمانی کا
بات انوکھی ہے یہ کیسی کوئی تو مجھ کو سمجھائے
وہ آئیں اگر اس دم، معلوم ہے کیا ہوگا
کیا قیامت تھی، کیا قیامت تھی
دل لگی ہی دل لگی میں دل کسی کا ہو گیا
دل نے دہرائے کتنے افسانے
پھر اسی غم سے آشنائی ہے
کشاکشِ غمِ ہستی ستائے کیا کہئے
ابھی کیا تھا، ابھی یہ ہو گیا کیا
شریکِ غم نہ رہا اور ہم زباں نہ رہا
دل شکستہ ہوئے، رسوا ہوئے، بدنام ہوئے
زمانہ میں کوئی تم سا نہیں ہے
نگاہِ دل نشیں ہوئی خیالِ دل کشا ہوا
سکوں جو دل کو نہیں، جاں کو جو قرار نہیں
غم ملے، حسرت ملے، رسوائی بے جا ملے
حسن عرفانِ حقیقت کے سوا کچھ بھی نہیں
غمِ زندگی ترا شکریہ ترے فیض ہی سے یہ حال ہے
رفتہ رفتہ دل ہمارا تیرا دیوانہ ہوا
دیکھ تو درِ عشق سے میرے دل کو کیا آرام ہوا
ایماں گیا، سکون گیا، زندگی گئی
فکر کیوں ہو آپ کو میرے دلِ ناشاد کی
یاد جب آپ کی نہیں ہوتی
مرے نصیب میں دنیا کا غم اٹھانا تھا
رہینِ خود ستائی تھا، میں کشتۂ انا رہا
کیوں غریبِ آرزو کو اس طرح رسوا کیا
آپ آئیں شبِ غم اتنا بھی احساں کیوں ہو
اٹھے ہم خستہ دل آشفتہ سر بے اختیار اٹھے
اللہ اللہ یہ برنائی
مرا دل زمانہ سے ہے جدا، سمن و گلاب کو کیا کروں
برا ہو عشق ترا، ہوشِ جسم و جاں نہ رہا
فریب دے کے لئے اور فریب کھا کے لئے
آفت ہے مصیبت ہے قیامت ہے بلا ہے
ہر سنگ پہ لکھا مرا افسانہ رہے گا
اظہارِ الم شکوۂ دوراں نہیں کرتے
عشق و جنوں کا سرد ہے بازار دیکھنا
یوں ہاتھ دھوئے بیٹھے ہیں دل اور جگر سے ہم
اے دل تری قسمت میں راحت نہ شکیبائی
سلسلہ ان سے گر نہیں ہوتا
شکوۂ داد کریں، شکوۂ بیداد کریں
گہ وہ نظر ملائے کیوں، گاہے نظر چرائے کیوں
اس طرح ان سے حکایاتِ الم کہتے ہیں
اس نے جس دن سے نہ آنے کی قسم کھائی ہے
قیامت ہو، مصیبت ہو، بلا ہو
عشقِ خود دار نہ ہو دیکھئے بیدار کہیں
دیکھئے حیلے ہیں کیا کیا یاد آنے کے لئے
جب سے اس حسنِ بلا خیز کا شیدائی ہوا
شکوۂ دہر کریں، شکوۂ ایام کریں
کسی کی جستجو ہے اور میں ہوں
چند تصویرِ بتاں (منظوم تعارف نامے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریب

پھر وہی شیشہ ہے، وہی پتھر
دیکھئے کیا پیام آیا ہے

میرا پہلا مجموعہ غزلیات ''شہر نگار'' دنیائے ادب کراچی (پاکستان) سے ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کی پذیرائی نہ صرف میری توقعات سے کہیں زیادہ ہوئی بلکہ اس زیر نظر پیشکش کا باعث بھی اہل اردو کی یہی حوصلہ افزائی ہے۔ یہ مجموعہ غزلیات و منظومات ''رنگ گلنار'' اپنے پیش رو کی بہ نسبت مختصر اور سادہ شکل میں دنیائے اردو کی نذر کیا جا رہا ہے۔ میرے قیامِ امریکہ سے متعلقہ مجبوریاں، اردو میں وسائل اشاعت کی کمی اور خود اردو کی زبوں حالی متقاضی ہیں کہ اس کوشش کو سادہ اور مختصر ہی رکھا جائے۔

اردو شاعری کے ہر دور میں شعری مجموعے شائع ہوئے ہیں اور آئندہ بھی شائع ہوتے رہیں گے۔ یہ سلسلہ اگر ایک طرف شاعر اور اس کی شاعری کا تشخص قائم کرنے اور ایک حد تک اس کے فن کے تحفظ اور بقا کا ضامن ہے تو دوسری طرف یہی سلسلہ ہر شاعر کی اس فطری خواہش پر بھی دلالت کرتا ہے جو اس کو اپنی ادبی اور شعری کوششوں کو اہل نظر تک پہونچانے پر اُکساتی ہے۔ اگلے زمانے میں ضخیم دواوین کا دستور تھا۔ اب لوگوں کی عدیم الفرصتی، دنیائے شعر و ادب کے اضمحلال اور ذوق شعر و ادب کی کساد بازاری کا تقاضا ہے کہ مجموعہ کلام مختصر ہوتا کہ پڑھنے والوں کو زیادہ زحمت اور دیدہ ریزی کی ضرورت پیش نہ آئے۔ زیر نظر مجموعہ اسی حقیقت کے مدنظر مرتب کیا گیا ہے۔

اردو شاعری میں غزل کے مقام سے ہر صاحب نظر واقف ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اردو شاعری کا تصور غزل کے بغیر ممکن بھی نہیں ہے۔ پچھلے پچاس ساٹھ سال میں اردو غزل بہت سے نئے تجربات سے گذری ہے۔ ترقی پسندی اور جدیدیت کی آزمائشوں سے گذر کر اب وہ ''غزل معرّیٰ'' اور ''یک شعری'' غزل کے انوکھے روپ میں نئے تجربات سے آشنا ہے۔ کوئی دن جاتا ہے جب کوئی مجتہد العصر ''یک مصرعی'' غزل کی ایجاد کا سہرا اپنے سر باندھ کر دنیائے ادب میں سرخروئی کا اعلان کر دے گا۔ اسی طرح اسلوب کے علاوہ زبان و مضامین میں بھی غزل غیر معمولی اجتہادات کا شکار رہی ہے، جن پر بحث کا یہ موقع نہیں ہے۔ ان سب تجربات کے باوجود غزل اپنی تاریخی اور دیرینہ روایات سے دامن نہیں چھڑا سکی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ چھڑا بھی نہیں سکتی۔

اردو غزل کا اپنا ایک تاریخی اور روایتی مزاج ہے جسے آج کا ایک مخصوص طبقہ ''فرسودہ'' کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ اسی مزاج کی بدولت غزل اپنی ہیئت، زبان، بیان، اور اسلوب میں نازک اور شائستہ تبدیلیاں تو برداشت کر سکتی ہے لیکن وہ بہت سے ایسے اسالیب و مضامین سے رشتہ جوڑنے سے معذور ہے جن کی متحمل اس کی فطرت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نہج کی بیشتر کوششیں ناکام رہی ہیں۔ اچھی شاعری کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ وہ آسانی سے دلوں میں اتر جاتی ہے اور زبانوں پر چڑھ جاتی ہے۔ مذکورہ تجربات کو اس پیمانہ پر تو لئے تو ان کی سبک سامانی ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ اسالیب و مضامین شاعری کی دسترس سے بالاتر ہیں بلکہ یہاں صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ ان کے لئے غزل کے علاوہ دوسری اصناف سخن زیادہ موزوں ثابت ہو سکتی ہیں۔

میری شاعری غزل کے اسی روایتی مزاج کی آئینہ دار ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ غزل میں کوئی نئی راہ نکالنے کا مجھے نہ پہلے دعویٰ تھا اور نہ اب ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ ہر شاعر اپنے ماحول اور حالات کا زندانی ہوتا ہے اور اس کی شاعری اسی تناظر میں اس کے خیالات و احساسات، تجربات و مشاہدات کی عکاسی اور ترجمانی کرتی ہے تو میری شاعری بھی میری زندگی کے مختلف عوامل اور محرکات کی مرہون منت سمجھی جانی چاہئے۔ ہر شاعر کی تخلیقات میں اس کے جذبات و احساسات کے منفرد رنگ کے رچاؤ کا ہونا یقیناً ایک فطری امر ہے۔ کوئی شخص کسی دوسرے شاعر کی نقل کر کے بحیثیت شاعر مشکل ہی سے زندہ رہ سکتا ہے۔ میری شاعری میں ایک سیدھے سادے انسان کے جذبات اور خیالات کا سیدھا سادا اظہار ہے۔ اپنی غزل گوئی کے متعلق اپنا نظریہ میں والد مرحوم حضرت راز چاندپوری کے الفاظ میں یوں بہتر ادا کر سکتا ہوں

دعوائے سخنوری نہیں ہے مجھ کو — بیماری ءِ خودسری نہیں ہے مجھ کو
کہتا ہوں غزل بمقتضائے فطرت — سودائے پیمبری نہیں ہے مجھ کو

میری غزل میں پنہاں جذبات و احساسات ایک عام انسان کے جذبات و احساسات ہیں۔ اگر میرے اشعار میں حزن و ملال کا عنصر غالب ہے تو اس لئے کہ ایک عام انسان کی زندگی اپنے ہر دور میں رنج و غم اور ابتلاء و آزمائش سے آشنا رہا کرتی ہے، اور اسے حقیقی سکون و مسرت کے لمحات بمشکل ہی میسر آتے ہیں۔ اگر میری غزل اپنے دامن میں اُمید و بیم اور حسرت و تمنا کے مختلف رنگ چھپائے ہوئے ہے تو اس لئے کہ ایک عام انسان انہیں کے خودساختہ سہاروں پر زندگی اور دنیا کا سامنا کرنے کے قابل ہوتا ہے اور اگر میرا کلام حسن و عشق کی فرسودہ مگر دلفریب داستان رہ رہ کر دہراتا ہے تو وہ بھی اسی لئے کہ حسن پرستی اور وارفتہ مزاجی انسانی فطرت کا ناگزیر حصہ ہیں۔ چنانچہ میری غزلوں میں جاری و ساری میرے دل کی دھڑکن اور گرمی ءِ احساس اگر پڑھنے والے کے دل میں بھی یہی کیفیت پیدا کر دے تو چنداں حیرت کا مقام نہیں ہوگا بلکہ یوں کہنا صحیح ہوگا کہ دوسروں کا یہ ردّ عمل ہی میری غزل کی کامیابی کا ضامن ہے۔

کرتا ہوں رازہائے دلِ ریزہ ریزہ فاش
سرورؔ برائے بیت مری شاعری نہیں

میں اپنے محترم دوست سید الیاسؔ صاحب کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس مجموعہ کی تہذیب وترویج کے دوران مجھے مفید مشوروں سے نوازا اور ازراہِ بندہ نوازی اس کی کمپیوٹر کمپوزنگ کا سارا کام بھی خود ہی انجام دیا پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ

ضروری ہے کہ آخر میں اپنی شریک حیات قیصرؔ رازی کا شکریہ ادا کروں جنہوں نے میری شاعرانہ اور غیر شاعرانہ دونوں طرح کی زندگی کے ہر مرحلہ میں ساتھ دینے کی طرح میرا ساتھ دیا ہے، اب بھی دے رہی ہیں، اور میری شاعری اور خود مجھ کو عمر بھر برداشت کرتے کرتے اس شعر کی جیتی جاگتی تفسیر بن کر رہ گئی ہیں

جہاں میں حرفِ محبت ہے اوّل و آخر
سوائے اس کے کسی شے کا اعتبار نہیں

سرور عالم راز سرورؔ
فورٹ ورتھ، ٹیکساس، امریکہ
۱ردسمبر ۱۹۹۹ء

غزل

جب جب وہ سرِ طورِ تمنا نظر آیا — میں کیسے کہوں، وہ مجھے کیا کیا نظر آیا
ہستی کے دروبست کا مارا نظر آیا — ہر شخص تماشا ہی تماشا نظر آیا
دیکھا جو زمانہ کو کبھی اچھی نظر سے — جو بھی نظر آیا ہمیں اچھا نظر آیا
کعبہ میں جو دیکھا وہی بت خانہ میں پایا — جیسا وہ مرے دل میں تھا ویسا نظر آیا
اوروں پہ بڑھے سنگِ ملامت جو لئے ہم — ہر چہرہ میں کیوں اپنا ہی چہرا نظر آیا
کیا یہ بھی محبت کے تقاضوں میں ہے شامل — دریا میں نظر آیا تو صحرا نظر آیا
ڈھونڈا ہی نہیں ہم نے تمہارا کوئی ہمسر — ہاں تم کہو تم کو کوئی ہم سا نظر آیا

یوں اور بہت عیب ہیں سرورؔ میں ولیکن
کمبخت محبت میں تو یکتا نظر آیا

غزل

نظر جب سے وہ مہرباں ہوگئی ہے — زمیں عشق کی آسماں ہو گئی ہے
تماشا یہ عمرِ رواں ہو گئی ہے — یقیں سے گذر کر گماں ہو گئی ہے

مری خاکساری دلیلِ خودی تھی　　یہی بے نشانی نشاں ہوگئی ہے
محبت میں تصویرِ غم ہوں سراپا　　زباں بے نیازِ فغاں ہوگئی ہے
مری داستاں آنسوؤں کی زبانی　　یونہی قطرہ قطرہ بیاں ہوگئی ہے
زمانہ کو حیرت ہے کیوں خامشی پر　　مری بے زبانی زباں ہوگئی ہے
نظر سے نظر کی شناسائیاں ہیں　　گھڑی دو گھڑی کو اماں ہوگئی ہے

وہی حسرتیں ہیں، وہی میں ہوں سرورؔ
مکمل مری داستاں ہوگئی ہے

غزل

دہر میں حرفِ محبت عام ہونا چاہئے　　زندگی شائستہء اسلام ہونا چاہئے
آدمی کو خوگرِ آلام ہونا چاہئے　　ہر سحر میں کچھ تو رنگِ شام ہونا چاہئے
ہر تقاضہ عشق کا بے اصل ہے ،بے اصل ہے　　درد کو اپنا ہی خود انعام ہونا چاہئے
مٹ ہی جائے گا کسی دن یہ دلِ درد آشنا　　اِس فسانہ کا یہی انجام ہونا چاہئے
شکوہء دنیا کہاں تک اِس سے کچھ حاصل نہیں　　تم کو اپنے کام سے بس کام ہونا چاہئے
منزلِ دل میں بھلا کیا کامِ عقل و ہوش کا　　منزلِ دل میں جنوں سے کام ہونا چاہئے
شعر میں کھل جائیں گے راز و نیازِ آگہی　　دل کو لیکن مائلِ الہام ہونا چاہئے

لوگ کہتے ہیں تمہیں دیوانہ اے سرورؔ تو کیا
کچھ تو دنیا میں تمہارا نام ہونا چاہئے

غزل

سودا خودی کا تھا نہ ہمیں بے خودی کا تھا　　سارا فریب کشمکشِ آگہی کا تھا
میری وفا کا اور نہ تری بے رخی کا تھا　　قصہ جو تھا وہ فکر کی بے چارگی کا تھا
ہم مطمئن تھے ہوکے شریکِ غمِ جہاں　　اور اس کو غم جو تھا وہ ہماری خوشی کا تھا
آلامِ روزگار سے غم ہائے عشق تک　　تھا مرحلہ جو زیست میں حیرانگی کا تھا
یوں بھی ہوا ہے دوست،سرِ بزمِ آرزو　　احساس تھا اگر تو وہ خود میں کمی کا تھا
سنتا جو کوئی گوشِ حقیقت نیوش سے　　محفل میں شورِحشر مری خامشی کا تھا
اک اعتبارِ جور تھا، سو وہ بھی اٹھ گیا　　کب اعتبار ہم کو تری دوستی کا تھا

راہِ وفا میں لٹ گیا آخر وہ کس طرح
سرورؔ جو زعم آپ کو فرزانگی کا تھا

غزل

نیازِ عشق بتاں ہے کیسا، غرورِ حسن و شباب کیا ہے
یہ آنسوؤں کا خراج کیوں ہے، یہ حسرتوں کا حساب کیا ہے

مری یہ بیم و رجا کی حالت، اسی کا کیا نام ہے محبت
تمام دن انتظار کیوں تھا، تمام شب اضطراب کیا ہے

وجودِ موہوم میرا آخر، تری حقیقت سے کب جدا ہے
نقاب اٹھا آشکار ہوجا، یہ تیرا مجھ سے حجاب کیا ہے

ہمیں اگر پوچھنا ہے کچھ تو، یہ اہلِ دنیا سے پوچھنا ہے
ستم بہ شکلِ خلوص کیوں تھا، کرم بہ شکلِ عتاب کیا ہے

وجود میرا گریز پا ہے، کہ فہم ہی میری نارسا ہے
میں کون ہوں کیا ہوں اور کہاں ہوں مری خلش کا جواب کیا ہے

ملے اگر روزِ حشر موقع تو صاحبِ حشر سے یہ پوچھوں
نفس نفس مجھ پہ تھی قیامت، پھر آج روزِ حساب کیا ہے

یہ حسن کی طرزِ دلنوازی، یہ عشق کی سب کرشمہ سازی
بجز فریبِ نظر نہیں کچھ، بھلا متاعِ حباب کیا ہے

جو آج بیٹھے ہو حسرتوں کا شمار کرنے، بتاؤ سرور
خبر نہیں تھی تمہیں کہ انجامِ عشق خانہ خراب کیا ہے

غزل

تلاشِ لالہ و گل فکرِ رنگ و بو نہ رہی   سوائے تیرے ہمیں کوئی جستجو نہ رہی

وہ آئے تھے تو ہمیں تابِ گفتگو ہی نہ تھی   وہ کیا گئے کہ کوئی وجہِ گفتگو نہ رہی

یہ آرزو تھی نگاہوں میں تیری آجاؤں   نظر ملی تو کوئی اور آرزو نہ رہی

اِسی کا نام محبت ہے کیا دلِ برباد   کوئی بھی آرزو ہنگامِ آرزو نہ رہی

ضرور ہوگا کوئی انقلاب دنیا کا   لہو بہت بہا اک قیمتِ لہو نہ رہی

بتائیں کیا تمہیں گذری ہے زندگی کیسی   کہو سکون کی صورت تو وہ کبھو نہ رہی

عجیب چیز ہے تیرا معاملہ اے دل   جو بچ گیا سرِ دامن رگِ گلو نہ رہی

ہوا ہے خستہ نفس اِس قدر زمانہ سے
جو دھوم پہلے تھی سرورکی چار سو نہ رہی

غزل

بیانِ قصہء بے چارگی کیا جائے   جو دل کی رہ گئی دل میں اسے کہا جائے

یہ زندگی ہے تو پھر موت کس کو کہتے ہیں   نہ رویا جائے ہے مجھ سے نہ ہی ہنسا جائے

ترے خیال کی آسودگی معاذاللہ   یہ جب بھی آئے ہے اک عمر کا گلہ جائے

فقیہِ شہر بھی بکنے لگے سرِ بازار   غریبِ شہر کہاں جائے اور کیا جائے

غمِ حیات، غمِ آرزو، غمِ دنیا   خدا ہی جانے کہاں تک یہ سلسلہ جائے

بیانِ غم سے نہیں ہم کو خوفِ رسوائی — یہ ڈر ہے نام ترا بھول کر نہ آجائے
سنو یہ صرف مری بیکسی کا ذکر نہیں — وہ غم ہے جس میں زمانہ کا غم سما جائے

عجیب چیز ہے دل کا معاملہ سرورؔ
کہا نہ جائے نہ ہی بن کہے رہا جائے

غزل

یہ اچھا ہوا وہ خفا ہوگیا — چلو یونہی اک سلسلہ ہوگیا
شبِ غم عجب سانحہ ہو گیا — تمہارا تصوّر خدا ہوگیا
زمانہ کی بے چہرگی دیکھ کر — میں خود اپنا ہی آئینہ ہو گیا
عداوت محبت کا ہی عکس ہے — وہ نا آشنا آشنا ہو گیا
تمنا ہی وہ کیا جو پوری ہوئی — ''وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا''
تکلف میں آئے نہ تم اور غم — بڑھا اور بڑھ کر دوا ہوگیا
خدا جانے کیا یاد آیا مجھے — یوں ہی ذکر کچھ آپ کا ہو گیا

پڑے خاک سرورؔ ترے عشق پر
ترا حال یہ کیا سے کیا ہوگیا

غزل

اگر ازل تھا تو کیا ابد ہے، مکاں ہے، یا لامکاں نہیں ہے
یہ مسئلہ حل جو ہو تو کیسے، کہاں ہے تو، اور کہاں نہیں ہے
اگر نہ ہو ترجمانِ ہستی، تو اس میں حسنِ بیاں نہیں ہے
جو ہو نہ خونِ جگر سے رنگیں وہ داستاں داستاں نہیں ہے
نکل کے ایوانِ تمکنت سے جو میرے دل میں ذرا تو جھانکے
بڑا کوئی مسئلہ مری جاں مرے ترے درمیاں نہیں ہے
ہمیں بھی حق ہے کہ ہم زمانہ کو قصہء دارِ غم سنائیں
قلم ہمارا ہے سر بریدہ یا منہ میں اپنے زباں نہیں ہے
یہ میری تقدیر کی کمی ہے، یہ میری اپنی سبک سری ہے
نہیں ہے تجھ سے کوئی شکایت، یقین کر میری جاں نہیں ہے
بھلا بتاؤ ہے واسطہ کیا، اُسے مری کشتِ شاعری سے
جو شعر بھی گل بدن نہیں ہے، غزل جو عنبر فشاں نہیں ہے
عجیب دستورِ بیکسی ہے، لڑی ہے قسمت تو یوں لڑی ہے
زمیں بھی زیرِ قدم نہیں ہے، سروں پہ بھی آسماں نہیں ہے

پرانی یادوں کو ڈھونڈتا ہوں، میں ریگ زارِ جنوں میں سرورؔ
یہیں کہیں میرا قصرِ دل تھا، جہاں کوئی اب نشاں نہیں ہے

غزل

اندازِ خزاں رنگِ بہاراں نہیں دیکھا — دل ایسا اٹھا سوئے گلستاں نہیں دیکھا
کیا سوچ کے ہنستے ہو مرے حال پہ لوگو — صحرا نہیں دیکھا کہ بیاباں نہیں دیکھا

اک ہم ہیں کہ دیکھا کئے ہر حال میں تم کو ۔۔۔ اک تم ہو کہ ہم کو کسی عنواں نہیں دیکھا

یہ کون سی منزل ہے بتاؤ تو خدارا ۔۔۔ اس درجہ تو خود کو کبھی حیراں نہیں دیکھا

آئینِ وفا پوچھیے ان سے کہ جنہوں نے ۔۔۔ سودا تھا گراں یا کہ تھا ارزاں نہیں دیکھا

آئی بھی اگر یاد تو ڈرتی ہوئی آئی ۔۔۔ ایسا تو کبھی موسمِ ہجراں نہیں دیکھا

دنیا میں کہاں قدر بھلا اشکِ وفا کی ۔۔۔ کچھ تو نے بھی اے دیدہء گریاں نہیں دیکھا

سرورؔ ہے غمِ عشق سے دیوانہ تو کیا ہے
کیا تم نے کوئی صاحبِ ایماں نہیں دیکھا

غزل

بھاتی نہیں دنیائے سخن ساز کی باتیں ۔۔۔ آ اے نگہِ ناز کریں ناز کی باتیں

وہ صبحِ امید اور یہ راتوں کی سیاہی ۔۔۔ انجام پہ یاد آگئیں آغاز کی باتیں

کیا سادہ دلی ہے کہ گرفتارِ محبت ۔۔۔ کرتے ہیں قفس میں پر و پرواز کی باتیں

ڈھلتے رہیں آنکھوں سے مری اشکِ ندامت ۔۔۔ کرتا رہے کوئی اسی انداز کی باتیں

دل ہے کہ ٹھہرتا ہی نہیں اپنی جگہ پر ۔۔۔ یاد آگئیں کس چشمِ فسوں ساز کی باتیں

کس دل سے سنوگے دلِ برباد کا قصہ ۔۔۔ سمجھو نہ اسے وادیء شیراز کی باتیں

اے یاد نہ آ یوں کہ ہو رُسوا یہ محبت ۔۔۔ آ شب ڈھلے کرنی ہیں مجھے راز کی باتیں

سرورؔ کو سکوں خود سے ہی باتوں میں ملے ہے
کیا سوز کی باتیں کرے کیا ساز کی باتیں

غزل

محبت میں آہِ رسا چاہتا ہوں ۔۔۔ مجھے کیا ہوا، میں یہ کیا چاہتا ہوں

وفاؤں کے بدلے وفا چاہتا ہوں ۔۔۔ بتاؤ کہ میں کیا برا چاہتا ہوں

سیاست سے الفت کی نا آشنا ہو ۔۔۔ میں دل وہ جنوں آشنا چاہتا ہوں

ہر اک بندشِ کفر و ایماں سے بچ کر ۔۔۔ جو قبلہ ہو قبلہ نما چاہتا ہوں

کہاں تک یہ دے گا فریبِ مسلسل ۔۔۔ زمانہ سے میں پوچھنا چاہتا ہوں

قیامت جو دل پر محبت میں گزری ۔۔۔ میں اس سے بھی کچھ اور سوا چاہتا ہوں

نہ ہو انتہا جس کی نیرنگیوں کی ۔۔۔ محبت کی وہ ابتدا چاہتا ہوں

محبت میں کیا ہوگیا مجھ کو سرورؔ
جو خود سے بھی میں فاصلہ چاہتا ہوں

غزل

سرؔور جگر کے داغ نمایاں نہ کیجئے
یوں کیجئے کہ شکوۂ جاناں نہ کیجئے

ہر روز روزِحشر ہے ہر شام شامِ غم
اتنا تو مجھ غریب پہ احساں نہ کیجئے

ایسا نہ ہو کہ اشکِ ندامت نکل پڑیں
اس ساعتِ وصال کو ارزاں نہ کیجئے

عرفانِ عشق آپ ہے عرفانِ لا الٰہ
اس سے زیادہ کاوشِ ایماں نہ کیجئے

بڑھ کر وصول کیجے زمانہ سے ہر حساب
یا پھر شکایتِ غمِ دوراں نہ کیجئے

مانند بوئے دوست میں اپنے وجود میں
ہوں اک خیال مجھ کو پریشاں نہ کیجئے

ہم بندگانِ عشق ہیں اپنی مثال آپ
ہم سے سوال و پرسشِ عصیاں نہ کیجئے

سرؔور کو خامشی ہی پیامِ حیات ہے
کچھ کہہ کے زندگی کو پشیماں نہ کیجئے

غزل

رنگ و خوشبو، شباب و رعنائی
ہو گئی آپ سے شناسائی

ہو تو کس کس کی ہو پذیرائی
ناز، انداز، حسن، زیبائی!

لوگ جس کو بہار کہتے ہیں
وہ کسی شوخ کی ہے انگڑائی

ہم بھی مجبور، آپ بھی مجبور
آہ دنیا کی کارفرمائی

خستگانِ قفس کو کیا مطلب
کب گئی اور کب بہار آئی

خود شناسی خدا شناسی ہے
بات میری سمجھ میں یہ آئی

آج تک رازِ زندگی نہ کھلا
میں تماشہ ہوں یا تماشائی

ان سے امیدِ دوستی سرؔور
آپ کیا ہوگئے ہیں سودائی؟

غزل

مری فکرِ رسا جب مائلِ پرواز ہوتی ہے
فقط دنیا نہیں، فطرت بھی ہم آواز ہوتی ہے

سراپا سوز ہوتی ہے مجسم ساز ہوتی ہے
محبت ہر دھڑکتے قلب کی آواز ہوتی ہے

سرِ آئینۂ ہستی تماشوں کی فراوانی
اُسی حسنِ ازل کا اک خرامِ ناز ہوتی ہے

سناؤں گا زمانہ کو کسی دن قصۂ حسرت
بڑی مشکل سے دنیا آشنائے راز ہوتی ہے

جہانِ آرزوئے شوق جس منزل پہ مٹ جائے
محبت بس وہیں شائستۂ آغاز ہوتی ہے

یہ کیسی بے بسی ہے کون سی منزل ہے ارماں کی — نہ آنسو ہی نکلتے ہیں، نہ ہی آواز ہوتی ہے
وہ میری بے حضوری ہو کہ تیری محفل آرائی — ادائے بے نیازی کا تری انداز ہوتی ہے

غزل سرؔور کی کیا دنیا کو رہ رہ کر رلائے گی
طبیعت دیکھئے پھر زمزمہ پرداز ہوتی ہے

غزل

قصہء غم کہتے کہتے خود فسانا ہوگئے — تھے تماشائی مگر اب ہم تماشا ہوگئے
حیف یہ رنگِ سیاست لوگ کیا کیا ہوگئے — راہزن رہبر بنے، دشمن شناسا ہوگئے
فرق ہے اہلِ خرد اور اہل دل میں کس قدر — یہ کنارے رہ گئے، وہ غرقِ دریا ہوگئے
چند لمحے عافیت کے آئے تھے مشکل سے ہاتھ — وہ بھی وقفِ کاوشِ امروز و فردا ہو گئے
کون ہے صورت گرِ حسنِ فراواں ہر طرف — اہلِ دل سب کشتہء حرفِ تمنا ہوگئے
اک زمانہ تھا تصور کی بلاخیزی میں ساتھ — آنکھ کیا کھولی، بھری دنیا میں تنہا ہوگئے
صبح محرومِ تمنا، شام محرومِ وصال — کتنے شہرِ آرزو، ہم رنگِ صحرا ہوگئے

گر نہیں خوفِ خدا تو خوفِ دنیا ہی سہی
کیا کریں گے آپ سرورکل جو رُسوا ہوگئے

غزل

ہمیں کیا کیا ملا اس آستاں سے — دیارِ درد سے کوئے فغاں سے
مرا سایہ بھی مجھ سے ہے گریزاں — شکایت کیا غبارِ کارواں سے
تلاش و آرزو میں عمر گذری — ''تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے''
محبت ہی تھی انعامِ محبت — میں جب نکلا غمِ سود و زیاں سے
بہاروں نے فقط دیوانگی دی — کوئی امید ہے تو ہے خزاں سے
''تکلف برطرف میں صاف کہہ دوں'' — تمہارا نام ہے اِس بے نشاں سے
حریم ناز میں ہے ذکر میرا — کہاں تک بات پہنچی ہے کہاں سے

مقدر ہی ترا ایسا ہے سرؔور
گلہ کیسا زمین و آسماں سے

غزل

اگر تو ہر نفس فطرت کا ہم آواز ہو جائے — سراپا سوز بن جائے، مجسم ساز ہوجائے

کمالِ عشق، عرفانِ حقیقت ہے، یقیناً ہے
خدا ایسا کرے تجھ پر یہ عقدہ باز ہوجائے

ہمیں الفت کی اس جادوگری نے مار رکھا ہے
نظارہ سوز رہ کر وہ نظارہ ساز ہو جائے

تجھے ہر لحہ اے دل، فکرِ انجامِ جنوں کیوں ہو
اگر جذبہ ترا، شائستہء آغاز ہوجائے

ہماری بے زبانی کا تماشہ دیکھنے والو
کہیں ایسا نہ ہو، یہ خامشی آواز ہو جائے

خزاں دیدہ سہی لیکن بہاروں کا شناسا ہوں
گھڑی بھر کو ہی بوئے گل مری ہمراز ہوجائے

چلو یوں ہی سہی دل بستگی کا کچھ تو ساماں ہے
بلا سے فاش میری خامشی کا راز ہوجائے

نظر اُٹھی تو ہے اِس کی مقامِ خود شناسی میں
تعجب کیا کہ سرور آشنائے راز ہوجائے

غزل

یہ دنیا شہرِ نا پرساں، زمانہ یہ سیاست کا
بھلا کیا کام ہے اس گام اربابِ محبت کا

ہماری سمت بھی آجائے بزمِ یار سے یارب
کوئی خوشبو تمنا کی، کوئی جھونکا محبت کا

ہماری فکر کا ہے ایک پرتَو عالمِ امکاں
ہمیں کو ہے پتہ تھوڑا بہت اس کی حقیقت کا

یہ منزل ماورائے فکر و دانش ہے، یقیناً ہے
''کوئی محرم نہیں ہوتا جہانِ رازِ الفت کا''

قلم ہے سر بریدہ، روشنائی خشک، مضموں گم
کتابِ زندگانی ہے، صحیفہ میری حسرت کا

کوئی حد بھی ہوا کرتی ہے آخر سادہ لوحی کی
زمانہ سے گلہ ہے، وہ بھی فقدانِ محبت کا

جیو تو مہر بر لب اور مرجاؤ تو بے چہرہ
ہمیں جینے نہیں دیتا، تقاضہ تیری چاہت کا

نہیں معلوم کیوں یاد آگیا کوئی ہمیں سرور
یونہی بس تذکرہ نکلا تھا محفل میں قیامت کا

غزل

ہوئے ہیں اہلِ جہاں سارے مہرباں کیسے
گمان کرتے ہیں مجھ پر یہ بدگماں کیسے

نہ زندگی کا بھروسہ، نہ موت کی امید
تمہیں بتاؤ گزر ہو تو ہو یہاں کیسے

گراں نہیں ہے زمیں کی یہ تنگ دامانی
گزر چکے ہیں مرے سر پہ آسماں کیسے

جو چپ رہوں تو زمانہ ہنسی اڑاتا ہے
بیاں کروں جو کہانی تو ہو بیاں کیسے

نہ دوستوں کی تمنا، نہ دشمنوں کا غم
یہ کیا مقام ہے میں آگیا یہاں کیسے

ہمیں کو زیست سے کس درجہ سرگرانی ہے
ہمیں کو بھول گئی مرگِ ناگہاں کیسے

وصال و ہجر کی باتیں تو اپنی باتیں تھیں
زمانہ آگیا آخر یہ درمیاں کیسے

تمہیں پہ جب نہ رہا اعتبار سرور کا
بنائے پھر وہ زمانہ کو رازداں کیسے

غزل

تنگ آ چکے ہیں یورشِ بے چارگی سے ہم — آلامِ روزگار و غمِ زندگی سے ہم
اس شہرِ ناسپاس کی خانہ خرابیاں — تجھ سے ملے بھی گر تو ملے اجنبی سے ہم
گذرے برنگ بوئے شبستانِ آرزو — اس عرصہء حیات سے یوں سرسری سے ہم
تھے بے خبر تو دل کو بڑا ہی سکون تھا — جب باخبر ہوئے تو گئے آپ ہی سے ہم
سرشاریء وصال نہ دل سوزیء فراق — جینے کو جی رہے ہیں مگر کیسے جی سے ہم
لو آج خود ہی اپنا نشیمن جلادیا — شکوہ نہ کرسکیں گے چلو اب کسی سے ہم
اپنوں کا اعتبار، نہ غیروں پہ اختیار — اے دل اگر ملیں تو ملیں کیا کسی سے ہم

سرورؔ یہ بے خودی کا تماشہ تو دیکھئے
کہتے رہے کسی کا فسانہ کسی سے ہم

غزل

سامنے ہے مرے لیکن نظر آتا بھی نہیں — اور کہنے کو کوئی بیچ میں پردا بھی نہیں
ایک مدت سے ہے یہ حال ہمارا لوگو — فکرِ امروز نہیں، کاوشِ فردا بھی نہیں
کیسے ناداں ہو امیدوں سے بہل جاتے ہو — صاحبو کیا تمہیں اندازہء دنیا بھی نہیں
کس سے افسانہء آوارگیء شوق کہوں — زیست کی چاہ بھی ہے، زیست گوارا بھی نہیں
تم کو یہ زعم کوئی تم سا زمانہ میں نہیں — ہم بھی یہ عرض کریں گے کوئی ہم سا بھی نہیں
وقت نے اس طرح برباد کئے شہرِ امید — ایک تصویر سرِ طورِ تمنا بھی نہیں
وقت کے ہاتھ ہے اب حال ہمارا ایسا — کیا کہیں اوروں کو خود اپنا بھروسا بھی نہیں

کس کو فرصت کہ سنے رام کہانی سرورؔ
صبر کر صبر کہ اس کے سوا چارا بھی نہیں

غزل

زیست ناشاد تھی اور موت کا ساماں نہ ہوا — تجھ سے اتنا بھی تو اے گردشِ دوراں نہ ہوا
آہ وہ سانس جو آزاد ترے غم سے رہی — ہائے وہ غم جو مری زیست کا عنواں نہ ہوا
''ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق'' — چاکِ داماں ہوا، گر چاکِ گریباں نہ ہوا
پھر وہی شامِ امید اور وہی صبحِ حسرت — مرحلہ زیست کا کوئی بھی تو آساں نہ ہوا
دل میں تھے چار پہر آپ کی یادوں کے چراغ — زندگی بھر ہمیں اندازہء ہجراں نہ ہوا

عقل نے شام وسحر کیا نہیں ڈورے ڈالے — دلِ بے مہر کسی طرح مسلماں نہ ہوا
ہم بھلا دور تھے کب روز و شب و شام وسحر — آپ ہی کو مگر احساسِ رگِ جاں نہ ہوا

دل کے لٹنے کا فسانہ تو کوئی بات نہیں
بات کچھ اور ہے سرور جو غزل خواں نہ ہوا

غزل

کوئی صورت قرار کی نہ رہی — غم تو غم ہے، خوشی خوشی نہ رہی
دشمنی دشمنوں سے کیا کرتے — دوستوں سے بھی دوستی نہ رہی
حرفِ مطلب زباں پہ کیا آیا — پھر وہ پہلی سی بات ہی نہ رہی
کام اپنا یوں ہی تمام ہوا — وہ جو تجھ سے امید تھی نہ رہی
آہ بے چارگی محبت کی — زندگی میں بھی زندگی نہ رہی
لطف آنے لگا ہے رونے میں — اب لگی دل کی دل لگی نہ رہی
مٹ گیا فرق کفر و ایماں کا — غفلت آمیز آگہی نہ رہی

عاجزی، اشک، بے بسی سرور
تیری حالت میں کچھ کمی نہ رہی

غزل

شکوہء دوست نہیں، تہمت اغیار نہیں — اب زمانہ سے ہمیں کوئی سروکار نہیں
تو نہیں ہے تو وہ رنگینیء گلزار نہیں — ان دنوں موسمِ گل کا کوئی معیار نہیں
اور کیا اس سے بڑا چاہیئے چاہت کا ثبوت — ہم کو انکار نہیں، آپ کو اقرار نہیں
ایک تو ہے کہ سراپا ہے ترا حسنِ غزل — ایک میں ہوں کہ مجھے جرأت اظہار نہیں
اٹھ گئی دہر سے یک لخت ہی کیا رسمِ وفا — روز بکتا ہوں مگر کوئی خریدار نہیں
ایک اک حرف ہے تفسیرِ حیاتِ برباد — دل کے ٹکڑے ہیں مرے یہ فقط اشعار نہیں
دیکھئے طرزِ پذیرائیء شہرِ خوباں — سنگ دیوار تو ہے سایہء دیوار نہیں

منزلِ عشق میں ہو آپ کا اچھا انجام
سرور ایسے تو کہیں بھی کوئی آثار نہیں

غزل

جو برہم کسی کی نظر دیکھتا ہوں — زمانہ کو زیروزبر دیکھتا ہوں

محبت سے کیا با خبر ہوچلا ہوں جو خود کو بہت بے خبر دیکھتا ہوں

میں ناواقفِ فکرِ صیاد کب ہوں مگر طاقتِ بال و پر دیکھتا ہوں

محبت کی بازی گری اللہ اللہ ''تجھے دیکھتا ہوں جدھر دیکھتا ہوں''

سنا ہے امیدوں پہ قائم ہے دنیا جو آتا ہے جی میں وہ کر دیکھتا ہوں

خودی ہوگئی ہے خدا آشنائی اسے ہر نفس جلوہ گر دیکھتا ہوں

یہ غم بھی مجھے دوستوں سے ملا ہے بصد فخر زخمِ جگر دیکھتا ہوں

یہی حال گر ہے محبت میں سرؔور
کسی لمحہ رختِ سفر دیکھتا ہوں

غزل

کچھ اپنی خوش گمانی کا کچھ ان کی بدگمانی کا یہ افسانہ محبت کا ہے،قصہ ہے جوانی کا

سلیقہ چاہتی ہے عمر بھر مر مر کے جینے کا ادا گر ہو تو کیسے ہو تقاضہ زندگانی کا

ہمیں اہلِ قفس کہہ کہہ کے یہ قصہ ڈراتے ہیں کہ بیرونِ قفس حیلہ نہ دانے کا نہ پانی کا

مجھے چھیڑے نہ کوئی میں زمانہ کا ستایا ہوں خموشی ہے نشانِ درد میری بے نشانی کا

جہاں سے داستانِ درد کا آغاز ہوتا ہے وہیں انجام ہوتا ہے محبت کی کہانی کا

نشاطِ سایۂ دیوار مرہونِ تمازت ہے غموں سے کچھ تو رشتہ ہے سرور و شادمانی کا

اُدھر وہ حسنِ بے پایاں اِدھر یہ عشقِ بے مایہ وہ دنیا رنگ و خوشبو کی یہ لمحہ سرگرانی کا

یہ پھولوں میں چھپے خنجر یہ مارِ آستیں سرؔور
بتاؤ کیا کروگے دوستوں کی مہربانی کا

غزل

بات انوکھی ہے یہ کیسی کوئی تو مجھ کو سمجھائے
جتنا بھولنا چاہوں اس کو اتنا ہی وہ یاد آئے
کس سے کہتے اور کیا کہتے کون کسی کی سنتا ہے
بستی بستی گھوم آئے ہم دریا دریا پھر آئے
بھولی بسری یادیں جب جب دل کو ٹھیس لگاتی ہیں
آنکھیں برسیں رم جھم رم جھم سانس رکے دل گھبرائے
عشق کی باتیں عشق ہی جانے اس کے سب انداز نئے
عشق کی بازی جیتنے والے جیت کے ہارے کہلائے
کیسی حسرت کیا امیدیں ہجر کہاں اور کون وصال
دنیا کا دستور یہی ہے، اک جائے اک رت آئے
اشکوں کی شمعیں جلتے ہی یادیں کیا کیا آئی ہیں
کہیئے کیسے بھولا اس کو شام کو جو گھر آجائے
حال یہ ہے اپنا سایہ بھی کترائے اکثر ہم سے
دیکھنا ہوگا غربت میں سب قسمت جو بھی دکھلائے

حیرت کیا جو عشق میں سرؔور بہکی بہکی کہتا ہے
ہوش کی اس میں بات کرے جو وہ دیوانہ کہلائے

غزل

وہ آئیں اگر اس دم، معلوم ہے کیا ہوگا
تجدید جنوں ہوگی، عرفانِ وفا ہوگا

اشکوں کی زبانی کچھ تم نے بھی سنا ہوگا
جو دل پہ گذرتی ہے تم کو تو پتا ہوگا

تصویر محبت کی رنگینی و شوخی کیا
یا خونِ جگر ہوگا یا خونِ وفا ہوگا

آغاز محبت ہی کب راس ہمیں آیا
سنتے تھے محبت کا انجام برا ہوگا

مشکل ہے دوگانہ یہ ہم سے ہو ادا یارو
یا فکرِ جنوں ہوگی یا ذکرِ خدا ہوگا

دیکھے تو کوئی اس کے انداز خداوندی
جیسا کہ وہ کافر ہے کیا کوئی خدا ہوگا

معلوم نہ تھا ایسے الفت کے تقاضے ہیں
جینا بھی خطا ہوگا مرنا بھی سزا ہوگا

دل ہار کے سرورؔ تم اس طرح جو بیٹھے ہو
”پچھتانے سے کیا حاصل، پچھتانے سے کیا ہوگا“

غزل

کیا قیامت تھی، کیا قیامت تھی
صاحبو ہم کو جب محبت تھی

سرزنش کے لئے ہی آجاتے
آپ کو اس میں کیا قباحت تھی

ہوش آیا تو یہ ہوا معلوم
بے خودی کس قدر غنیمت تھی

غم نے مجبور کردیا ورنہ
بات سننے کی کس کو فرصت تھی

وقتِ آخر جو آپ آئے ہیں
آخر اس کی بھی کیا ضرورت تھی

بڑھ گئی اور جتنی صرف ہوئی
یاد اس کی عجیب دولت تھی

وقتِ رخصت جو آنکھ بھر آئی
وہ بھی اک صورتِ عبادت تھی

شعر سرورؔ کے کچھ برے تو نہ تھے
سادگی ان میں تھی حلاوت تھی

غزل

دل لگی ہی دل لگی میں دل کسی کا ہوگیا — کیا کہیں کیسے کہیں کیوں ہوگیا کیا ہوگیا

دل کا لٹنا ایک دنیا کو تماشا ہوگیا — ہائے یوں بیٹھے بٹھائے کیا سے یہ کیا ہوگیا

زندگی کب تک اٹھاتی درد کا بارِ گراں — شامِ غم آئی تو اس کا بھی سویرا ہوگیا

پھر ہَوا میں ہے وہی بے نام بوئے پیرہن — کیا تری جانب سے پھر کوئی اشارا ہوگیا

درد تھا منزل بہ منزل اور آنسو گام گام — بس اسی صورت ہمارا بھی گذارا ہوگیا

میں رہا خاموش پاسِ عاشقی سے عمر بھر — لوگ یہ سمجھے مرے غم کا مداوا ہو گیا

کم نہیں تھی یورشِ غم ہائے دنیا جان پر — دل کو کیا سوجھی محبت میں دِوانا ہو گیا

کررہے ہو عاشقی سرؔور مگر یہ سوچ لو
کل نہ پچھتانا کہ میں دنیا میں رُسوا ہوگیا

غزل

دل نے دہرائے کتنے افسانے — یاد کیا آگیا خدا جانے

ایک یاد آئی، ایک یاد گئی — دل میں ہیں سینکڑوں پری خانے

کس کو بھولوں کسے میں یاد رکھوں — سارے چہرے ہیں جانے پہچانے

یاد کیا آگیا ستم کوئی؟ — آپ بیٹھے ہیں یوں جو انجانے

پہلے اپنی نظر کو سمجھاؤ — پھر مرے دل کو آنا سمجھانے

بیکسی بے بسی سبک حالی — چُن رہا ہوں نصیب کے دانے

ہائے مجبوریاں محبت کی — کوئی کیا جانے کوئی کیا مانے

آرزو کیا ہے اور کیا ہے امید
سرورِ نامراد کیا جانے

غزل

پھر اسی غم سے آشنائی ہے
پھر طبیعت کسی پہ آئی ہے

جانتے ہیں وفا کی قیمت ہم
ہاں مگر قسمت آزمائی ہے

صبح دم آہ، شام کو آنسو
عمر یوں ہی نہیں گنوائی ہے

ہم کو یہ خواہشِ خزاں کیوں ہے
ہو نہ ہو پھر بہار آئی ہے

چھوڑدے تو بھی ساتھ اے امید
ایسی کیا مجھ سے آشنائی ہے

مرگئے انتظار میں بے موت
موت آئی تو آج آئی ہے

باوضو قتل کرنے آئے ہیں
پارسائی سی پارسائی ہے

روز و شب کی یہ بے کلی سرورؔ
دل میں آخر یہ کیا سمائی ہے

غزل

کشاکشِ غمِ ہستی ستائے کیا کہئے
پھر اس پہ سوزِ دروں دل جلائے کیا کہئے

خلوصِ لطف کو ڈھونڈا کئے زمانہ میں
چلے جہاں سے وہیں لوٹ آئے کیا کہئے

وہ پاس رہ کے رہے دور اک کرشمہ ہے
وہ دور رہ کے مگر پاس آئے کیا کہئے

کوئی حریفِ غمِ زندگی نہیں دیکھا
حریف یوں تو بہت آزمائے کیا کہئے

یوں آفتاب چھپا شامِ غم کی چادر میں
کہ جیسے نبض کوئی ڈوب جائے کیا کہئے

ہمیں یہ ضد کہ سوالِ طلب نہیں کرتے
انہیں یہ ضد کہ یہ خالی ہی جائے کیا کہئے

لرز رہا ہے گہرتابِ دل سرِ مژگاں
ستارہء سحری جھلملائے کیا کہئے

حکایتِ حرم و دیر خوب ہے سرورؔ
مگر یہ شام و سحر ہائے ہائے کیا کہئے

غزل

ابھی کیا تھا، ابھی یہ ہوگیا کیا
نہ سوچا دل نے کچھ اچھا برا کیا

مٹائے گا ہمیں وہ فتنہ زا کیا
سوائے غم یہاں اب رہ گیا کیا

زمانہ کروٹیں لیتا رہے گا
غریبوں کے دلوں کا ٹوٹنا کیا

گذاری حسرتوں میں زندگانی
ہمیں ہوتا ہے اس کا رنج کیا کیا

سکوتِ شب یہ کیسی خامشی ہے
مٹا اپنا دلِ درد آشنا کیا

ازل سے نامرادِ آرزو ہوں
زمانہ سے مجھے اب واسطا کیا

کہانی رنج و غم کی کیا سنائیں
نہیں معلوم ہم کو خود ہوا کیا

کسی میخانہ میں سرورؔ کو ڈھونڈو
اسے دیر و حرم سے واسطا کیا

غزل

شریکِ غم نہ رہا اور ہم زباں نہ رہا
گیا جو دل یہ تو کوئی بھی رازداں نہ رہا

تمہارے درد کی بستی کہاں کہاں نہ ملی
تمہارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ رہا

یہ کس مپرسی کا عالم یہ بےکسی کا حال
زمیں کو رو ہی رہے تھے کہ آسماں نہ رہا

ضرور عشق کی معراج ہے یہی منزل
یقیں یقیں نہ رہا اور گماں گماں نہ رہا

ترے خلوص کی صورت تری وفا کی طرح
مٹا ہوں عشق میں ایسا کوئی نشاں نہ رہا

نہیں خراب مرا وقت ہی محبت میں
ترا بھی حال وہ پہلا سا جانِ جاں نہ رہا

کسی کو غم تھا کہاں گلستاں اجڑنے کا
مگر ہوا یوں کہ خود اپنا آشیاں نہ رہا

تلاشِ سایۂ دیوار ہے تجھے سرورؔ
اسی دیار میں جس جا ترا مکاں نہ رہا

غزل

دل شکستہ ہوئے رسوا ہوئے بدنام ہوئے
کون کہتا ہے کہ ہم عشق میں ناکام ہوئے

دیکھئے خوبیء تقدیر ہمارے آنسو
پہلے الزام بنے پھر یہی انعام ہوئے

کیوں نہ محبوب ہو رسوائی دنیا ہم کو
پہلے ہم خاص تھے اب شکرِ خدا عام ہوئے

وہ شب و روز کہ جب کام کسی یاد سے تھا
نذر سب آج ترے اے غمِ ایام ہوئے

حاصلِ عمر یہی لذتِ گریہ ٹھہری
یوں تو ہونے کو بہت سے غم و آلام ہوئے

تھک کے خاموش ہوئی جاتی ہے دل کی دھڑکن
آ بھی جاؤ کہ بہت دیر ہوئی شام ہوئے

لے گیا صبر و سکوں کوئی مرا الفت میں
رہ گئے غم تو وہ سارے ہی مرے نام ہوئے

یوں رہے کشمکشِ وہم و یقیں میں سرؔور
جب یقیں حد سے بڑھا بندہء اوہام ہوئے

غزل

زمانہ میں کوئی تم سا نہیں ہے   حقیقت ہے یہ افسانہ نہیں ہے
محبت کیا ہے تم کو کیا بتائیں   تمہیں کہدو محبت کیا نہیں ہے
محبت میں سکوں کا ذکر کیسا   ”محبت دھوپ ہے سایا نہیں ہے“
اٹھا کرتی ہے دل میں ہوک اکثر   خدا معلوم کیا ہے، کیا نہیں ہے
خدا معلوم کیوں، جس دل میں تم ہو   وہ تنہا رہ کے بھی تنہا نہیں ہے
ہمارا کیش کیشِ عاشقی ہے   ہمیں انجام کی پروا نہیں ہے
تقاضائے محبت ہے خموشی   مگر اب ضبط کا یارا نہیں ہے

وہ سرؔور ہاں وہی دیوانہ سرؔور
بتاؤ کس جگہ رسوا نہیں ہے

غزل

نگاہِ دل نشیں ہوئی خیالِ دلکشا ہوا   انہیں سے جب ہوا رقم غموں کا سلسلہ ہوا

اگر ترے خیال سے سکوں ملا تو کیا عجب　　کہ رنج بھی تو آخرش ترا ہی تھا دیا ہوا
ہمیں تھے راہِ زیست میں نشانِ پا گِنا کئے　　زمانہ تیزگام تھا کبھی کا وہ ہوا ہُوا
بتاؤ پہلے عشق سے بھلا تھا کون سا سکوں　　ملا نہ عشق میں سکوں تو ایسا کیا برا ہوا
یہ اشکِ غم، یہ چشمِ نم، یہ آہ، یہ شکایتیں　　خطا معاف ،کیا کروں کہ دل ہے یہ بھرا ہوا
وہی تھی حاصلِ الم، یہی ہے عشق کا بھرم　　جو آہ تھی دبی ہوئی جو اشک تھا رکا ہوا
نہ اُس طرح قرار تھا، نہ اِس طرح قرار ہے　　نہ دل پہ اختیار ہے مجھے ہُوا تو کیا ہُوا

رہِ الم میں رہ گیا وہ سرورؔ شکستہ پا
لبوں پہ تیرا نام تھا جب اُس کا خاتمہ ہُوا

غزل

سکوں جو دل کو نہیں، جاں کو جو قرار نہیں　　یہ امتحانِ محبت ہے کاروبار نہیں
سکونِ دل کو زمانہ میں ڈھونڈنے والو　　یہی سکوں تو کہیں وجہِ اِضطرار نہیں
ہے کوئی ایسا جو گلشن کو پھونک دے بڑھ کر　　کسی بھی پھول کے پہلو میں کیا شرار نہیں
جہاں میں حرفِ محبت ہے اوّل و آخر　　سوائے اِس کے کسی شے کا اعتبار نہیں
نہ پوچھ درد کی کن منزلوں سے آئے ہیں　　ہمیں غمِ رسن و اعتبارِ دار نہیں
جو کرسکو تو سرِ راہِ عام فاش کرو　　ہمارا رازِ محبت، کہ آشکار نہیں
ہجومِ شوق کی سرگرمیاں، معاذاللہ　　میں اپنے حسنِ محبت سے شرمسار نہیں

رہیں گے شہرِ نگارِ جنوں میں اب سرورؔ
کہ اس دیار سے اچھا کوئی دیار نہیں

غزل

غم ملے، حسرت ملے، رسوائی بے جا ملے　　دیکھئے اس عشق میں نامِ خدا کیا کیا ملے
کتنے بیگانے بدل کر بھیس اپنوں کا ملے　　کیا پتہ کب کون اپنا بن کے بیگانا ملے
آرزو جب مٹ گئی عرفانِ الفت ہوگیا　　ریت موتی بن گئی، صحرا میں بھی دریا ملے
دوسروں کا ذکر کیسا اور کیا اپنا بھرم　　جس طرف دیکھوں ہوں میں دریا وہی سوکھا ملے
عقل و دل کی اس کشاکش نے ڈبویا ہے ہمیں　　یہ کہے ایسا ملے اور وہ کہے ویسا ملے
بس یہی حسرت رہی ہر دم دلیلِ زندگی　　جو ملے تجھ سے ملے جتنا ملے جیسا ملے
بیکسی میں کھل گیا یوں آج سورج کا بھرم　　میں جدھر جاؤں وہیں دیوارِ بے سایہ ملے

مٹ گیا سرور اسی حسرت میں ہے ہے دیکھئے
منزلِ غم میں کوئی اپنا سا دیوانہ ملے

غزل

حسن عرفانِ حقیقت کے سوا کچھ بھی نہیں
عشق اک حرفِ عقیدت کے سوا کچھ بھی نہیں

جس کا آغاز ، نہ انجام، نہ عنواں کوئی
زندگی ایسی حکایت کے سوا کچھ بھی نہیں

میرا پیراہنِ جاں چاک کرو، چاک کرو
''میرے دامن میں محبت کے سوا کچھ بھی نہیں''

لوگ کیوں ذکرِ قیامت سے ڈرا کرتے ہیں
وہ ترے سایہء قامت کے سوا کچھ بھی نہیں

ابتدا حرفِ تمنا کی بڑی آفت تھی
انتہا اشکِ ندامت کے سوا کچھ بھی نہیں

کوئی یک رنگیء صد رنگِ زمانہ دیکھے
دہر اک جلوہء وحدت کے سوا کچھ بھی نہیں

سانس لیتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ یارو ہر سانس
مجھ کو اک سنگِ ملامت کے سوا کچھ بھی نہیں

تیرا افسانہء غم ہائے زمانہ سرؔور
ایک فرسودہ روایت کے سوا کچھ بھی نہیں

غزل

غمِ زندگی ترا شکریہ ترے فیض ہی سے یہ حال ہے
وہی صبح و شام کی الجھنیں، وہی رات دن کا وبال ہے

نہ چمن میں بوئے سمن رہی نہ ہی رنگِ لالہ و گل رہا
تو خفا خفا سا ہے واقعی کہ یہ صرف میرا خیال ہے

اسے کیسے زیست کہے کوئی گھٹے آہِ دل گھٹے چشمِ نم
وہی رات دن کی مصیبتیں وہی ماہ ہے وہی سال ہے

میں غموں سے ہوں جو یوں مطمئن تو برا نہ مانے تو میں کہوں
ترے حسن کا نہیں فیض کچھ، مری عاشقی کا کمال ہے

ہے یہ آگ کیسی لگی ہوئی مرے دل کو آج ہوا ہے کیا
جو ہے غم تو ہے غمِ آرزو، اگر ہے تو فکرِ وصال ہے

کوئی کاش مجھ کو بتا سکے رہ و رسمِ عشق کی الجھنیں
وہ کہے تو بات پتے کی ہے میں کہوں تو خام خیال ہے

زہے عشقِ احمدؐ مصطفٰے نہیں فکر روزِ جزا مجھے
یہی آرزوؤں کی عید ہے، یہی زندگی کا مآل ہے

یہ بتا کہ کیا ہے تجھے ہوا پئے عشق سرؔورِ غم زدہ
نہ وہ مستیاں نہ وہ شوخیاں نہ وہ حال ہے نہ وہ قال ہے

غزل

رفتہ رفتہ دل ہمارا تیرا دیوانہ ہوا
تھا ذرا سا واقعہ، اس پر یہ افسانہ ہوا

اب سزا جو بھی ملے، جتنی ملے، جیسی ملے
ہاں ہوا اعلانِ الفت، اور رندانہ ہوا

ہے فضا خاموش، وحشت چارسو، بوجھل ہوا
اس طرف کس کا گذر اے کوئے جانانہ ہوا

مٹ گیا جب فرق الفت میں نیاز و ناز کا
ناز بھی صورت بدل کر پھر نیازانہ ہوا

شبنمی پھولوں پہ جیسے ڈوبتے سورج کی دھوپ
یوں حریمِ آرزو میں آپ کا آنا ہوا

زندگی جس لحہ ہم آوازِ فطرت ہو گئی
روح جنت آشنا اور دل پری خانہ ہوا

کفر و ایماں کی کشاکش سے رہا آزاد عشق
رنگِ کعبہ میں یوں شامل رنگِ بت خانہ ہوا

مرگیا کل رات سرورؔ عاشقی میں ہائے ہائے
تھا زمانہ بھر میں دیوانہ وہ اک مانا ہوا

غزل

دیکھ تو دردِ عشق سے میرے دل کو کیا آرام ہوا
رنجشِ دنیا وہم بنی اور خوابِ غمِ ایام ہوا

حسرت یاس امید تمنا ہجر جفاناز و انداز
کس کس حیلہ کون بہانے دل کا کام تمام ہوا

کس سے کہتے اور کیا کہتے کون کسی کی سنتا ہے
دنیا کے بازار میں سکہ بیدردی کا عام ہوا

تیرے قصے میری باتیں اشکوں کی پیہم برساتیں
ہجر کی تنہا کالی راتیں، یہ میرا انجام ہوا

بات نہیں میری ہی اکیلی عشق کی گر بوجھے یہ پہیلی
میں ہی نہیں بدنامِ محبت، تیرا بھی تو نام ہوا

جیسی کرنی ویسی بھرنی کوئی تجھے الزام نہیں
دل کو تو برباد تھا ہونا، صبح ہوا یا شام ہوا

بند سہی لب میرے لیکن دل میرا خاموش نہیں
آہ بنی ہے ایک دعا ہر آنسو اک پیغام ہوا

مارتے ہو کیوں اس کو پتھر پھوٹا ہے پہلے ہی مقدر
ایک تو دیوانہ ہے سرور پھر اس پر بدنام ہوا

غزل

ایماں گیا سکون گیا زندگی گئی
تم کیا گئے امید جو تھی آخری گئی

ہنگامہ ہائے شوق کی خانہ خرابیاں
تھی جس سے اک امید وہ دیوار ہی گئی

بس اک نظر نے تیری تماشہ بنادیا
پھر یوں ہوا کہ خوئے سلامت روی گئی

یہ کیا کِیا کہ آپ نے جلوہ دکھادیا
پردہ اٹھا تو حسرتِ پردہ دری گئی

دل ہی تو ہے سیاستِ دنیا سے ڈر گیا
اپنی کہی گئی نہ تمہاری سنی گئی

ہر چشم چشمِ غیر ہے ہر دست دستِ جور
آج اس طرح بنائے تماشہ رکھی گئی

پھر دامنِ امید ہوا میرا داغ داغ
پھر اشکِ خوں سے میری کہانی لکھی گئی

سرور بہت تھا ناز طبیعت پہ آپ کو
آخر کہاں وہ آپ کی زندہ دلی گئی؟

غزل

فکر کیوں ہو آپ کو میرے دلِ ناشاد کی
زندگی برباد کرنی تھی مجھے، برباد کی

اک طرف انسانیت بے روح وجسم وجان ہے
اور دنیا کو پڑی ہے قیس کی فرہاد کی

تم سے ملنے کا مزا اپنی جگہ پر خوب تھا
بات ہی کچھ اور ہے لیکن تمہاری یاد کی

لوگ تھے محوِ سیاست کون سنتا داستاں
لاکھ شہرِ آرزو میں آہ کی فریاد کی

شام اشکِ آرزو تھے صبح آہِ بیکسی
دل جلوں نے غم کی بستی اس طرح آباد کی

آرزو، حسرت، تمنا، زخمِ غم، خونِ الم
اور کیا قسمت چمکتی اس دلِ برباد کی

عشق تو بس نام ہے رسوائی و آلام کا
خشت اک سیدھی نہیں اس شہر کج بنیاد کی

شاعری میری دکھے دل کی بس اک آواز ہے
فکر کیوں سرور ہو مجھ کو داد کی بیداد کی

غزل

یاد جب آپ کی نہیں ہوتی
زندگی، زندگی نہیں ہوتی

آپ سے حال کیا کہیں اپنا
خود سے جب بات ہی نہیں ہوتی

جو نہ منسوب تیرے نام سے ہو
آگہی، آگہی نہیں ہوتی

یاد آتی ہے چھیڑ جاتی ہے
درد میں کچھ کمی نہیں ہوتی

جان کر کیوں بنے ہو انجانے
بے سبب خامشی نہیں ہوتی

ایک دنیا اُدھر، اِدھر میں ہوں
کم مری بیکسی نہیں ہوتی

کون بتلائے، کیسے بتلائے
کیوں خوشی سے خوشی نہیں ہوتی

ہوش کی کچھ تو لیجئے سرور
خوب یہ بے خودی نہیں ہوتی

غزل

مرے نصیب میں دنیا کا غم اٹھانا تھا
غمِ حبیب سے بڑھ کر غمِ زمانہ تھا

نگار خانہء امید اک بہانہ تھا
کہیں تو اِس دلِ کم بخت کو لگانا تھا

نہ روکیں اہلِ چمن ہم کو خاک اڑانے سے — یہیں کہیں پہ ہمارا بھی آشیانہ تھا

میں اپنے آپ سے غافل رہا ہوں یوں جیسے — وجود میرا کسی اور کا ٹھکانا تھا

خدا شناس ہوا خود سے آشنا ہوکر — یہی گنہ مری تجدید کا بہانا تھا

تری نوازش و جود و کرم کے میں قرباں — ستم بہت تھا مگر پھر بھی دوستانا تھا

شبِ امید سے لے کر شبِ جدائی تک — خیال و خواب و تصور کا تانا بانا تھا

تمام ہوگیا آخر فسانۂ سرورؔ
دوانہ مرگیا، کیا خوب وہ دِوانہ تھا

غزل

رہینِ خود ستائی تھا، میں کشتۂ انا رہا
''زبان و دل کے درمیاں، ہمیشہ فاصلہ رہا''
نگاہ اک ملی تو تھی، امید کچھ بندھی تو تھی
پھر اس کے بعد عمر بھر، غموں کا سلسلہ رہا
نشانِ حسرت و الم، دلیلِ بے کسی و غم
جو اشک بھی تھما رہا، جو درد بھی دبا رہا
نہ جانے کتنی زندگی ادھیڑ بُن میں کٹ گئی
امید آپ سے رہی، خیال آپ کا رہا
''بتاؤ اپنا کون ہے، کسے اب آشنا کہیں
وہ دل ہی تو رفیق تھا، جو وہ گیا تو کیا رہا''
ہزار بے حضور ہوں، مگر میں بے قصور ہوں
تُو دیکھنے کی چیز ہے، سو میں بھی دیکھتا رہا

فریبِ آرزو رہا قدم قدم یوں ہم سفر
نہ اپنی ہی خبر رہی، نہ تیرا ہی پتا رہا

مقامِ سرِ خوشی کہاں، دیارِ ابتلا میں ہے
غریب سرورِ حزیں ہمیشہ بے نوا رہا

غزل

کیوں غریبِ آرزو کو اس طرح رسوا کیا
''میں نے تم سے کیا کیا اور تم نے مجھ سے کیا کیا''
ماتمِ ماضی کیا یا نوحۂ فردا کیا
جو ادھورا رہ گیا تھا کام یوں پورا کیا
صبح تھی وقفِ الم اور شام وقفِ آرزو
قرض یوں ہم نے ادا اے زندگی تیرا کیا
توڑ ڈالا تیری بیتابی نے سب میرا بھرم
اے دلِ برباد تو نے کیا کیا، یہ کیا کیا
ہائے وہ رنگِ سیاست دوستی کے رنگ میں
دوست بن کے آپ نے جو بھی کیا اچھا کیا
یوں رہے شائستۂ شامِ غریباں عمر بھر
زندگانی کو رہینِ وعدۂ فردا کیا
کب ہمیں منظور تھی رسوائی رسم وفا
دل نے کی ساری خرابی چار سو چرچا کیا

حضرتِ سرورؔ لگا بیٹھے جو الفت کا یہ روگ
کیا کیا بیٹھے بٹھائے آپ نے یہ کیا کیا

غزل

آپ آئیں شبِ غم اتنا بھی احساں کیوں ہو
زندگی سخت کٹی موت ہی آساں کیوں ہو

کس لئے شکوۂ غم شکوۂ ہجراں کیوں ہو
کوئی خود اپنے کئے پر یوں پشیماں کیوں ہو

میں ہوں پروردۂ آشوبِ زمانہ اے دوست
مجھ کو فکر و غمِ انجامِ گلستاں کیوں ہو

منزلِ عشق میں پہلا ہی قدم ہے شائد
ورنہ آدابِ محبت سے گریزاں کیوں ہو

نام گر ترکِ تعلق ہے اسی کا اے دوست
یہ بتاؤ کہ مری زیست کا عنواں کیوں ہو

کیا تماشہ ہے محبت کے امیں پوچھتے ہیں
واقعہ کیا ہوا یوں آج پریشاں کیوں ہو

یہ کہو جاتی بہاروں نے جنہیں لوٹ لیا
اب انہیں پاسِ تقاضائے بہاراں کیوں ہو

زندگی ہے تو گزر جائیں گے سرورؔ یہ دن
اس قدر تنگیٔ حالت سے پریشاں کیوں ہو

غزل

اٹھے ہم خستہ دل آشفتہ سر بے اختیار اٹھے
بہار آئی قدم پھر دشت کو دیوانہ وار اٹھے

کچھ اب کے موسمِ گل میں نہیں وہ بات پہلی سی
نگاہِ ناز سے کہدو نہ وہ یوں سوگوار اٹھے

گناہِ آرزو ایسا گنہ تو ہو نہیں سکتا
پھر آخر کیا ہوا، کیوں بزم سے ہم دل فگار اٹھے

کہاں سے ہمتِ صد انتظارِ جام مے لائیں
خدارا ساقیا میگوں نظر بس ایک بار اٹھے

تعجب سے نگاہِ لطف کا منھ تک رہا ہے دل
خدا نا خواستہ ایسا کسی کا اعتبار اٹھے

نگاہِ شرمسار حسن و رعنائی سے پوچھیں گے
قدم کیوں سوئے صحرا اس طرح بیگانہ وار اٹھے

ابھی ذوقِ گنہ میں تشنگی محسوس کرتا ہوں
اسی انداز سے اللہ چشمِ میگسار اٹھے

کہاں تک روئیے سرورؔ کہ اب تو وقتِ آخر ہے
بھری محفل سے کیسے کیسے رنگیں بادہ خوار اٹھے

غزل

اللہ یہ برنائی — دیکھی دیکھی تیری خدائی

جانے کہا کیا اس کی نظر نے — دل نے کچھ تسکین سی پائی

پوچھ نہ کوئی راز یہ ہم سے — کیا ہے محبت، کیا ہے خدائی

کھیل یہ کھیلا ہم نے انوکھا — دل تو بسایا، ہستی مٹائی

سوزِ محبت تیرا بھلا ہو — مر کے بھی ہم کو موت نہ آئی

آئے وہ لیکن وائے مقدر — میرے ہی لب پر بات نہ آئی

کہتے رہے ہم، ہنستے رہے وہ اپنی کہانی، شامِ جدائی

کچھ بھی نہیں ہے پھر تو کہئے
سرور کی یہ نغمہ سرائی

غزل

مرا دل زمانہ سے ہے جدا، سمن و گلاب کو کیا کروں
نہ پھر آؤں ہوش میں وہ پلا، میں شرابِ ناب کو کیا کروں
نہ وہ جلوتیں، نہ وہ خلوتیں، نہ حکایتیں، نہ شکایتیں
شبِ ماہتاب چلے گئے، شبِ ماہتاب کو کیا کروں
جو خیال و خواب میں اک حسیں، رگِ جاں کو چھو گیا آفریں
تو بتا دے اے مرے ہم نشیں کہ میں ایسے خواب کو کیا کروں
کبھی دشمنوں نے دُکھا دیا، کبھی دوستوں نے رلا دیا
رہا پھر بھی زندہ یہ مرحبا، دلِ لاجواب کو کیا کروں
مری روح آج اداس ہے، مری جان و دل پہ ہراس ہے
نہ وہ گل بدن مرے پاس ہے، میں بھلا شباب کو کیا کروں
وہی ڈھونڈنا تجھے کو بہ کو، وہی منزلیں، وہی جستجو
وہی جان دینے کی آرزو، میں دلِ خراب کو کیا کروں
وہی کاوشیں، وہی کاہشیں، وہی حسرتیں، وہی خواہشیں
دلِ ریزہ ریزہ کی تربتیں، میں ترے عتاب کو کیا کروں

کسی در سے مانگے مری بلا، میں ہوں سرور حرم آشنا
ہوں گدائے احمدؐ مصطفےٰ، میں تری شراب کو کیا کروں

غزل

بُرا ہو عشق ترا، ہوشِ جسم و جاں نہ رہا
زمیں کو رو ہی رہے تھے کہ آسماں نہ رہا

یہ زخم زخم جگر اور لہو لہو یہ دل
تمہارے درد کا چرچا کہاں کہاں نہ رہا

یہ کیسا شہر ہے ہر شخص مجھ پہ ہنستا ہے
غریبِ شہر کو اب کیا کوئی مکاں نہ رہا

غلط ہے یہ کہ نہیں تیری آبرو کا خیال
خدا گواہ کہ اندازہء فغاں نہ رہا

اسی کا نام ہے شائد خزاں کہ گلشن میں
بہار آئی تو اک میرا آشیاں نہ رہا

ترے خیال سے یوں ہو گیا ہوں آسودہ
مجھے دماغِ غم و فکرِ دو جہاں نہ رہا

چلو یہ خوب ہوا خشک ہو گئے آنسو
لہو وہ پہلے جو تھا زیبِ داستاں نہ رہا

عجیب چیز ہے دل کا معاملہ سرور
اک عمر گذری مجھے شوقِ این و آں نہ رہا

غزل

فریب دے کے لئے اور فریب کھا کے لئے
مزے ستم کے لئے اور مسکرا کے لئے

ہزار درد زمانہ سے جی اٹھا کے لئے
جو چند رہ گئے وہ تم سے دل لگا کے لئے

سنا ہے ان کو مرا خونِ آرزو کم ہے
کچھ اور چاہئے رنگینیء فضا کے لئے

کرو گے کیا جو یقیں آ گیا کہیں ہم کو
دکھاؤ اتنی محبت نہ تم خدا کے لئے

ابھی سے ہاتھ قلم کردئے زمانہ نے
ابھی تو ہاتھ اٹھے بھی نہ تھے دعا کے لئے

اک اور برگِ تمنا ہوا شکارِ الم
اک اور راہ کھلی شوخیء صبا کے لئے

نگاہِ یاس، دلِ تنگ، موسمِ بے مہر
بہانہ کوئی تو ہو عرضِ مدعا کے لئے

شمار اب کہاں زندوں میں میرا اے سرور
میں جی رہا ہوں فقط عشقِ مصطفٰےؐ کے لئے

غزل

آفت ہے مصیبت ہے قیامت ہے بلا ہے
یہ عشقِ ستمگار خدا جانئے کیا ہے

سب میری خطا ہے کہ زمانہ کی ہوا ہے
دل ہے کہ اسی سوچ میں دن رات لگا ہے

سایہ سا نگاہوں میں مری کوئی بسا ہے
اللہ بتائے کوئی آخر کہ یہ کیا ہے

کب ہم کو ترے درد سے انکار رہا ہے
یہ غم ہی تو اک عمر کی محنت کا صلا ہے

بدلا ہے نہ بدلے گا یہ دستورِ زمانہ
ہے دشت وہی اور وہی آبلہ پا ہے

''ہو جاتی ترے آنے سے تصدیقِ بہاراں
سب کہتے ہیں کہ یہ بھی تری ایک ادا ہے''

یوں دل میں شش و پنج کی ہے آنکھ مچولی
جیسے کوئی چھپ چھپ کے مجھے دیکھ رہا ہے

تم یوں نہ کرو سرورِ ناکام سے نفرت
ہے کچھ سے تو اچھا جو یہ لاکھوں سے برا ہے

غزل

ہر سنگ پہ لکھا مرا افسانہ رہے گا
دیوانہ تو دیوانہ ہے، دیوانہ رہے گا

اس عمر میں ہم یادِ خدا خاک کریں گے
دل جیسا تھا ویسا ہی صنم خانہ رہے گا

جتنا کہ غمِ عشق میں دشوار ہے جینا
اس درجہ ہی آساں ہمیں مرجانا رہے گا

اے دوست تر ا آنا ہمیں یاد نہیں ہے
ہاں یاد بہت تیرا چلا جانا رہے گا

لو دل بھی چلا عشق میں ہاتھوں سے نکل کے
کیا شہرِ وفا میں کوئی اپنا نہ رہے گا

کیا کیجئے مدت سے ہے دستور ہی ایسا
میکش تو چلے جائیں گے میخانہ رہے گا

غربت میں بھی ہے سایہء دیوار کی امید
اے دل تو کہاں تک یوں ہی دیوانہ رہے گا

سرور جو رہی حالتِ گریہ یہی تیری
پھر کوئی بھی دریا کہیں پیاسا نہ رہے گا

غزل

اظہارِ الم شکوہء دوراں نہیں کرتے
ہم رحمتِ یزداں کو پشیماں نہیں کرتے

جو کرتے ہیں یہ خار نمایاں نہیں کرتے
ہم جان کے توہینِ بہاراں نہیں کرتے

اے دل یہی آنسو تو ہیں سوغاتِ محبت
نادان، علاجِ غمِ پنہاں نہیں کرتے

اربابِ خرد حال پہ میرے ہیں پریشاں
اور اپنی ہی وہ فکرِ گریباں نہیں کرتے

مانوس ہوں دارورسنِ عشق سے ایسا
دنیا کے خم و پیچ پریشاں نہیں کرتے

جو میری وفاؤں سے پریشاں ہیں خدایا
کیوں میرے غم و درد کا درماں نہیں کرتے

واقف ہوں نہاں خانہء ہستی سے میں ایسا
دنیا کے تماشے مجھے حیراں نہیں کرتے

کیا فرض ہے سرور کہ بنو عشق میں کافر
کیوں اس بت کافر کو مسلماں نہیں کرتے

غزل

عشق و جنوں کا سرد ہے بازار دیکھنا
''کوئے جفا میں قحطِ خریدار دیکھنا''

حرماں نصیبی و غم و آزار دیکھنا
کیا کیا دکھائے تہمتِ اغیار دیکھنا

ہر چند ہوش کھونا ہے اک شرطِ عاشقی
مجنوں ہے اپنے عشق میں ہشیار دیکھنا

خاطر میں کس کو لائی کبھی گردشِ جہاں
الجھے نہ اس سے کوئی خبردار دیکھنا

کم ہمتی سے تیری نہ ہوجائے داغدار
دامن کسی کا، دیدہء خونبار دیکھنا

خوش وقتیء شباب و شبِ وصل و جامِ مے
سب ہیں فنا کے حاشیہ بردار دیکھنا

رنگینیء حیات بڑی چیز ہے مگر
حد سے بڑھے نہ لذتِ دیدار دیکھنا

سرور نہ ڈھائے کوئی قیامت خدا کرے
یوں سوئے آسماں ترا ہر بار دیکھنا

غزل

یوں ہاتھ دھوئے بیٹھے ہیں دل اور جگر سے ہم
گویا کہ نا امید سے ہیں چارہ گر سے ہم

دل ڈھونڈتا ہے گوشہء عرفان و آگہی
گھبرا گئے ہیں کشمکشِ خیر و شر سے ہم

تیرا پتہ چلا، نہ خود اپنی خبر رہی
گذرے ہیں اس طرح بھی تری رہگذر سے ہم

دل ہی تو ہے سیاست دنیا سے ڈرگیا
ناچار ورنہ ایسے نہ تھے بال و پر سے ہم

اب ہم ہیں اور کشاکشِ منزل کی لذتیں
بارے کہ بے نیاز ہوئے راہبر سے ہم

اے عشق تیرے فیض سے کیا کیا نہیں بنے
گہ شبنم بہار رہے، گہ شرر سے ہم

یہ ذوق و شوق و جذبِ تمنا، زہے نصیب — پہنچے کہاں پہ اور چلے تھے کدھر سے ہم

سرورؔ ہمیں کچھ ایسا زمانہ کا غم نہ تھا
گرتے نہ کاش آپ ہی اپنی نظر سے ہم

غزل

اے دل تری قسمت میں راحت نہ شکیبائی — شوریدہ سری اپنی آئی تو یہ کام آئی
ضبطِ غمِ الفت پر نازاں ہوں بہت لیکن — جب یاد تری آئی، واللہ بہت آئی
اتنا تو ذرا کہئے اس جرمِ محبت میں — کچھ آپ کو اپنی بھی تقصیر نظر آئی
سیکھے ہیں قیامت کے انداز کہاں تم نے — اک آن تماشا ہو، اک آن تماشائی
اکرامِ محبت میں ٹھکرادیا دنیا کو — یہ کیسی تمنا ہے اور کیسا تمنائی
دیکھے تو کوئی شوقِ خود بینیء فطرت کو — یہ ضبط چمن بندی، یہ انجمن آرائی
خود اپنی حقیقت پر افسوس ہوا ہم کو — آئینہء ہستی میں صورت جو نظر آئی

سرورؔ کی خموشی پر وہ ہنس کے یہ کہتے ہیں
دیوانہ ہے دیوانہ، سودائی ہے سودائی

غزل

سلسلہ ان سے گر نہیں ہوتا — رنج شام و سحر نہیں ہوتا
باخبر اک جہاں سے رہتا ہے — خود سے جو بے خبر نہیں ہوتا
میری باتوں کا آپ کے اوپر — کیوں ذرا بھی اثر نہیں ہوتا
عشق بیٹھے بٹھائے ہوتا ہے — عشق کچھ سوچ کر نہیں ہوتا
جس کو خوفِ خدا رہے ہر دم — اس کو دنیا کا ڈر نہیں ہوتا
جو نہ منسوب تیری یاد سے ہو — گھر وہ ہو لاکھ، گھر نہیں ہوتا
بات ہوتی ہے معتبر لوگو — آدمی معتبر نہیں ہوتا

عشق ہے وہ بلائے جاں سرورؔ
جس میں کچھ کارگر نہیں ہوتا

غزل

شکوہء داد کریں، شکوہء بیداد کریں — زندگی کیسے بسر او ستم ایجاد کریں
ماتمِ قیس کریں، نوحہء فرہاد کریں — آؤ یوں اس دلِ برباد کو آباد کریں

کچھ تو حاصل ہے غمِ عشق سے ورنہ یارو
فرصتِ یک نفس اور اس طرح برباد کریں

ہمدم و مشفق و ہمراز ہیں میرے اشعار
غم بھلائیں، الم و فکر سے آزاد کریں

بے رخی میں ہو اگر رنگِ محبت شامل
بھول جائیں تو کسے اور کسے یاد کریں

عشقِ مجبور اِدھر، حسنِ بلاخیز اُدھر
تو ہی بتلا ترا کیا اے دلِ ناشاد کریں

خود شناسی سے کھلے راز، کچھ ایسے ہم پر
ایک ہی بات ہے، بھولیں کہ اسے یاد کریں

شکوہ بر لب نہ ہو، اس کو بھی غنیمت سمجھو
لوگ سرور تمہیں بھولے سے بھی گر یاد کریں

غزل

گہ وہ نظر ملائے کیوں گاہے نظر چرائے کیوں
مجھ سے نہیں غرض اگر سامنے میرے آئے کیوں

رنجشِ عشق اور ہے، درد کی لذتیں ہیں اور
غم سے جو آشنا نہ ہو، اس کی سمجھ میں آئے کیوں

عشق کی سربلندیاں بس اک شکستِ دل سے ہیں
آہ لبوں پہ آئے کیوں کوئی یہ راز پائے کیوں

تیری یہ بدگمانیاں، میری یہ خود فریبیاں
شہرِ نگارِ آرزو، آئے تو راس آئے کیوں

یہ اک ادائے حسن ہے یا پھر ادائے عشق ہے
دل سے جو میں اتر گیا، نظروں سے پھر گرائے کیوں

یوں ہی اگر رہیں تری، ظالم یہ کج ادائیاں
تیری سیاستِ جفا میری سمجھ میں آئے کیوں

تہمتِ ہر نظر بھی ہے شہرتِ دربدر بھی ہے
ساری اسے خبر بھی ہے پھر بھی وہ آزمائے کیوں

صبر و قرار لٹ گئے سرور ترے نصیب کے
شام و سحر یہ اشک کیا، دن رات ہائے ہائے کیوں

غزل

اس طرح ان سے حکایاتِ الم کہتے ہیں
اشک بہتے ہیں بہت، بات بھی کم کہتے ہیں

دل مرا ٹوٹا نہیں اور ہی کچھ ٹوٹا ہے
وہ جسے تیری خدائی کا بھرم کہتے ہیں

قسمتوں پر کبھی دیکھا نہیں کیا ان کا اثر
سادگی سے جنہیں وہ زلف کے خم کہتے ہیں

ان کو ڈر ہے کہ یہ آئینہ بھرم کھول نہ دے
میرے آئینہ کو یوں دیدہء نم کہتے ہیں

کیا ہی دستور زمانہ میں نرالا دیکھا
جو ہے جینے کا بہانہ اسے غم کہتے ہیں

اہلِ دل کے لئے دنیا یہی، عقبیٰ بھی یہی
اہلِ دنیا جسے دن رات کا غم کہتے ہیں

ہم اسیرِ غمِ الفت ہیں انہیں کے لوگو
جن کو سب پیار سے سرکارِ اممؐ کہتے ہیں

یوں تو سرور کو سمجھتے ہیں سبھی دیوانہ
دیکھئے کیا یہ فقیہانِ حرم کہتے ہیں

غزل

اس نے جس دن سے نہ آنے کی قسم کھائی ہے ۔۔۔ اک زمانہ مری حالت کا تماشائی ہے

دوستی اپنی اسے باعثِ رسوائی ہے ۔۔۔ وائے تقدیر، کہ تقدیر بھی کیا پائی ہے

انقلاباتِ جہاں یوں مرے ہم رشتہ ہوئے ۔۔۔ جیسے مدت سے مری ان سے شناسائی ہے

تنگ دامانیء امید برا ہو تیرا ۔۔۔ رات سی رات ہے، تنہائی سی تنہائی ہے

شوق دامن کشِ دل ہے سوئے محفل لیکن ۔۔۔ عقل کہتی ہے ٹھہر، کیا تری موت آئی ہے

فکرِ دنیا، نہ غمِ دیں، نہ خیالِ جاناں ۔۔۔ خودشناسی ہمیں جس روز سے راس آئی ہے

اک نگاہِ غلط انداز نے مارا ہم کو ۔۔۔ حسن سا حسن ہے رعنائی سی رعنائی ہے

شاعری شہرِ غریباں میں، خوشا اے سرور
تیری افتادِ طبیعت ترے کام آئی ہے

غزل

قیامت ہو مصیبت ہو بلا ہو ۔۔۔ تمہارے دم سے ہو چاہے قضا ہو

ادائے بے نیازی اس کی توبہ ۔۔۔ خدا ناخواستہ جیسے خدا ہو

اسی کا نام شائد دوستی ہے ۔۔۔ وفا کے نام پر جور و جفا ہو

گذاری عمر ساری حسرتوں میں ۔۔۔ دل درد آشنا تیرا بھلا ہو

ستائے کیا اسے فکرِ دو عالم ۔۔۔ تمہارا غم جسے راس آگیا ہو

مرے ہمدم یہ کوئی زندگی ہے ۔۔۔ جہاں ہر سانس جینے کی سزا ہو

نہ سوچو کیا حقیقت ہے ہماری ۔۔۔ یہ دیکھو تم ہمارے دل میں کیا ہو

بجا ہے ناز ایسے دل پہ سرور
شکستہ جو ہو اور درد آشنا ہو

غزل

عشق ِ خوددار نہ ہو دیکھئے بیدار کہیں ۔۔۔ کھول دیں راز نہ گھر کے در و دیوار کہیں

صبح امید کرم، شام کو نا امیدی ۔۔۔ مرحلے زیست کے آساں کہیں، دشوار کہیں

دوستو دل نے کوئی بات تو سوچی ہوگی ۔۔۔ ہارتا ہے کوئی یوں عشق میں بیکار کہیں

ہر طرف زورِ سیاست نے قیامت ڈھائی ۔۔۔ کہیں تسبیح و مناجات ہیں، زنار کہیں

بے نیازی پہ تری صبر کئے لیتے ہیں ۔۔۔ مل ہی جائے گا ہمیں سایہء دیوار کہیں

رنگ دنیائے محبت کا بدل جائے گا ۔۔۔ تیرے دیوانے اگر ہو گئے ہشیار کہیں

یہ محبت مرے ایماں کا ہے پرتو لوگو — یونہی ہوتا ہے کوئی اس کا سزاوار کہیں

ایک غم ہو تو کروں ذکر میں اس کا سرورؔ
آستیں ہے کہیں، دامن کہیں، اور تار کہیں

غزل

دیکھئے حیلے ہیں کیا کیا یاد آنے کے لئے — کچھ ستانے کے لئے، کچھ آزمانے کے لئے
کیا وفا کیسی محبت اور کہاں کی دوستی — ہاں مگر حیلے ہیں دنیا کو دکھانے کے لئے
بھول کر ہی بات کر لیتے بڑی کیا بات تھی — یاد کیا آئے تھے ہم کو بھول جانے کے لئے
ہوچلا ہے ختم قصہ ہستیء محروم کا — آپ ہی عنواں بتائیں اس فسانے کے لئے
لے اڑی ہاتھوں سے ان کو بھی ہوائے بیکسی — چند تنکے چُن رہا تھا آشیانے کے لئے
اے دلِ برباد یہ دنیا ہے اس کا کیا گلا — کس کو فرصت ہے کہ روئے اک دوانے کے لئے
انقلابِ زیست لازم ہے مگر اب کیا کہیں — ہم ہی گویا رہ گئے ہیں آزمانے کے لئے

جی میں ہے سرورؔ کہ اب کچھ جی چلیں اپنے لئے
اک زمانہ جی لئے ہم اک زمانے کے لئے

غزل

جب سے اس حسنِ بلاخیز کا شیدائی ہوا — ذرہ ذرہ مجھے اک جلوہء یکتائی ہوا
کوئی انجامِ وفا پیشگی پوچھے ہم سے — وجہ رسوائی یہی شوقِ پذیرائی ہوا
یاد بھی آتی رہی دل بھی مرا دکھتا رہا — اور میں تھا کہ ترا پھر بھی تمنائی ہوا
اے غمِ زیست ترا شکریہ تیرے ہاتھوں — میں تماشہ بنا اور خود ہی تماشائی ہوا
ہر نفس پیشِ نظر جلوہء حسن معنی — بزمِ دنیا ہوئی یا گوشہء تنہائی ہوا
کھل گیا رازِ جفا جوئی شہرِ خوباں — جب سے میں تیری وفاؤں کا شناسائی ہوا
صبر آہی گیا دنیا کی ہنر مندی پر — لیجئے جبر بھی ہم رنگِ شکیبائی ہوا

سرورِؔ خستہ نفس، سوختہ جاں، دیوانہ
اس کا کیا ذکر ہے سودائی تو سودائی ہوا

غزل

شکوہء دہر کریں، شکوہء ایام کریں — کیوں نہ اس طور غمِ عشق کا اکرام کریں
خود کو بدنام کریں آپ کا کچھ نام کریں — یاد دنیا میں رہے ایسا کوئی کام کریں

دین و دنیا کو نہ کیوں غرق مے و جام کریں — آئیے زیست کو شائستہء اسلام کریں

حاصلِ عمر بجا، فرصتِ ہستی معلوم — دہر میں اہلِ جنوں حرفِ وفا عام کریں

ہر نفس عمرِ گریزاں کی خبر دیتا ہے — اتنی فرصت کہاں فکرِ سحر و شام کریں

آرزو حسرت و امید، غم و رنج و ملال — تو ہی بتلا ترا کیا اے دلِ ناکام کریں

شکوہء گردشِ ایام سے کیا حاصل ہے — جی میں آئی ہے کہ اب ترکِ رہِ عام کریں

آپ جینے کی طرح کیوں نہیں جیتے سرورؔ
یہ کوئی بات ہے ہر صبح کو بس شام کریں

غزل

کسی کی جستجو ہے اور میں ہوں — حجابِ رنگ و بو ہے اور میں ہوں

نگاہِ شرمگیں ہے اور تو ہے — بیانِ آرزو ہے اور میں ہوں

متاعِ زندگی تھوڑی ہے میری — یہی اک آبرو ہے اور میں ہوں

تمھیں میخانہء ہستی مبارک — مرا ٹوٹا سبو ہے اور میں ہوں

خدایا بے نیازِ آرزو کر — یہی اک آرزو ہے اور میں ہوں

مجھے یوں راس آئی خود شناسی — خدا سے گفتگو ہے اور میں ہوں

میں کس منزل پہ آخر آگیا ہوں — یہاں بس تو ہی تو ہے اور میں ہوں

مجھے فکرِ دو عالم کیوں ہو سرورؔ
وہ میرے روبرو ہے اور میں ہوں

چند تصویرِ بتاں

پچھلے دس بارہ سال سے ڈیلس/فورٹ ورتھ (ٹیکساس،امریکہ) میں بزمِ اردو اپنے زیرِاہتمام سالانہ بین الاقوامی مشاعرے منعقد کررہی ہے۔ان مشاعروں میں برِصغیر ہندوپاک کے بہت سے معروف شعرا اور شاعرات نے دادِسخن سنجی دی ہے۔ایسے چند مشاعروں کی نظامت کی خوشگوار ذمہ داری سے میں بھی سرفراز ہو چکا ہوں،اور میں نے ازراہِ تفننِ طبع شرکائے مشاعرہ کو زحمتِ کلام دینے اور سامعین سے متعارف کرانے کے لئے منظوم تعارف ناموں کا اہتمام برتا ہے۔مندرجہ ذیل تعارف نامے ایسی ہی محفلوں کی یادگار ہیں۔

منظوم تعارف ناموں کا مقصد نہ تو کسی شاعر یا شاعرہ کی خصوصیات شعری کا تجزیہ یا بیان ہے اور نہ ہی ان کے ادبی مقام ومنصب کا تعین۔یہ جدت صرف محفلِ سخن میں تنوع اور رچاؤ پیدا کرنے کی نیت سے اپنائی گئی اور اس سے خاطر خواہ نتائج بھی برآمد ہوئے۔ان سے مشاعروں میں جان سی پڑ گئی اور شعرا و سامعین دونوں ہی نے اس سلسلہ کو پسند کیا۔امید ہے کہ ''رنگِ گلنار'' کے قارئین بھی ان سے محظوظ ہوں گے اور میری اس کوشش کو خودستائی پر محمول نہیں کریں گے۔

بندۂ ساقیء محبت ہوں
خود پرستی سے مجھ کو کام نہیں
(ابوالفاضل رازؔ چاندپوری)

سرور عالم راز سرورؔ

قتیلؔ شفائی:

کیوں کرے کوئی آرزوئے غزل   کیا کرے کوئی جستجوئے غزل
اب انہیں آیئے سنیں جو ہیں   ناز و انداز و آبروئے غزل
آپ کا نام لوگ لیتے ہیں   جب بھی ہوتی ہے گفتگوئے غزل
یہ غزل سے ہیں اور غزل ان سے   ان سے وابستہ ہے نموئے غزل
آپ کے فن کے حاشیہ بردار   نشۂ شعر مشکبوئے غزل
چند قطرے سہی عطا ہوں قتیلؔ
آپ کے پاس ہے سبوئے غزل

قتیلؔ شفائی:

جہانِ شعر کی ہر آن بان ان سے ہے
زباں کی چاشنی حسنِ بیان ان سے ہے
غزل کی شان غزل کا نشان ان سے ہے
یہ خود ہیں اردو سے اردو زبان ان سے ہے
کوئی دلیل تو کیا حاجتِ دلیل نہیں
وہ بزمِ شعر نہیں ہے جہاں قتیلؔ نہیں

اقبالؔ صفی پوری:

اب کون سی حسرت ہے اور کون سی مجبوری   کیا رنج تمنا ہو، کیوں شکوۂ مہجوری
ہم ایک زمانہ سے بس نام ہی سنتے تھے   اب آپ کو سننے کی حسرت بھی ہوئی پوری
جذبات کا دریا ہے اک ایک غزل ان کی   اندازِ بیاں میگوں، اشعار ہیں انگوری
دل تھام کے بیٹھے ہیں اربابِ سخن سارے
محفل میں اب آتے ہیں اقبالؔ صفی پوری

اقبالؔ صفی پوری:

مجبورِ شب و روز نہ پابند مہ و سال   کچھ اس میں کوئی شبہ نہیں اور نہ ہی اشکال
پرواز کی ان کی ہو بیاں کس طرح احوال   پہنچی وہاں جبریل کے جلتے ہیں جہاں بال
شائد اسی نسبت سے تخلص رکھا اقبالؔ

حمایت علی شاعرؔ:

ثابت ہوا اشعار سے ان کے یہی آخر   اردو تہی داماں نہیں، ہے گنجِ نوادر
نیرنگیء افکار، روانی و سلاست   ہیں آپ کے اشعار کے کیا خوب عناصر
جو سیکھنا ہو حسنِ بیاں آپ سے سیکھیں   بندش کی اگر پوچھیے وہ بھی یہاں حاضر
یہ سب ہو میسر تو بتائے کوئی سرورؔ
ہم کیوں نہ کریں ذکرِ حمایت علی شاعرؔ

حمایت علی شاعرؔ:

ثلاثی کا، غزل کا، نظم کا ماہر نہیں کہتے
بساطِ شاعری کا ہم اسے شاطر نہیں کہتے
یہ سیدھی سی ہے سرورؔ بات کہ دنیائے اردو میں
جو ناواقف ہے شاعرؔ سے اسے شاعر نہیں کہتے

حمایت علی شاعر:

سربستہ ہے دریا اک شعروں کی نزاکت میں
لہجہ کی شرافت میں لفظوں کی حلاوت میں
ہر شعرِ غزل ان کا ہے آپ مثال اپنی
بندش میں روانی میں نرمی میں لطافت میں
کچھ سوزِ محبت ہے کچھ سازِ جوانی ہے
صد رنگ تفکر میں انداز کی ندرت میں
کچھ اپنے فسانے ہیں کچھ قصے ہیں دنیا کے
نظموں میں ثلاثی میں غزلوں کی حکایت میں
اک شورِ قیامت ہے محفل میں بپا سرور
کیا ہوگا بھلا بڑھ کر اب اور قیامت میں
محفل میں سبھی ان کو مشتاق ہیں سننے کے
بس اتنا ہی کہنا ہے شاعر کی حمایت میں

حمایت علی شاعر:

ہر بات حسیں ان کی ہر شے میں نفاست ہے
انداز میں دھیما پن، لہجہ میں شرافت ہے
دنیائے تغزل میں یکتا ہے وجود ان کا
کیا حسنِ فصاحت ہے کیا رنگِ بلاغت ہے
رنگینیء مضموں سے گلشن ہے کلام ان کا
گہ قصہء الفت ہے، گہ ذکرِ سیاست ہے
شاعر سے زیادہ یہ انساں ہیں بڑے پیارے
معیارِ وفا ان کا گر ہے تو شرافت ہے
غزلوں میں ثلاثی میں نظموں میں رباعی میں
افکار کی شدت ہے جذبہ کی تمازت ہے
ہے بات بڑی سرور اور منہ ہے بہت چھوٹا
انصاف کروں ان سے کب مجھ میں یہ طاقت ہے
بہتر ہے بلاؤں میں محفل میں انہیں جن کا
شاعر تو تخلص ہے اور نام حمایت ہے

جگن ناتھ آزاد:

ادب و شعر پہ ہیں آپ کے احساں کتنے
ہر قدم مرحلے اِن سے ہوئے آساں کتنے
وقت جب بھی پڑا واللہ بہ جانِ اردو
آپ ہی سے ملے اس درد کے درماں کتنے
اٹھ گئے محفلِ اشعار سے دیوانے سب
اب بھلا آتے ہیں ایسے نظر انساں کتنے
ہے غزل آپ سے اور آپ غزل سے منسوب
دہر میں دوستو ایسے ہیں غزل خواں کتنے
مختصر بات ہے کچھ اور ہمیں یاد نہیں
آپ بے بہرہ ہے جو واقفِ آزاد نہیں

راغب مراد آبادی:

ہنگامِ صد مسرت، سرور یہ وقتِ شادی
سب لوگ با ادب ہوں یہ عام ہے منادی
کس نے غزل کو ایسا اچھا لباس بخشا
اور کس نے شاعری کو رنگین یہ قبا دی
اک عمر خوں سے باغِ اردو کو کس نے سینچا
مصرعوں کو آبرو دی اشعار کو حیا دی
شائستگی زباں میں تہذیب ہے بیاں میں
ملکِ غزل کے مرشد شہرِ سخن کے ہادی
بیتاب لوگ ہیں بس سرور خموش ہوجا
محفل میں آرہے ہیں راغب مراد آبادی

عبدالمتین عارف:

کس منہ سے کرے آپ کی سرور تحسین
انداز شریفانہ ہے لہجہ شیریں
اردو کا ہوا آپ سے اِکرام بلند
ہر صنفِ سخن آپ کے ہے زیرِ نگیں
چرچا ہے زمانہ میں سخن سنجی کا
قطعات بہت خوب، غزل بھی ہے حسین
ہر طور سے ہیں واقفِ اندازِ جدید
پھر اس پہ بزرگوں کی روایت کے امین
آسان ہے کس درجہ تعارف ان کا
عارف جو تخلص ہے تو ہے نام متین

حفیظ تائب:

کبھی تو جلوے ہیں سادگی کے، کبھی شکوہِ سکندری کے
سبھی ہیں اشعار ان کے ایسے کرشمے جیسے ہوں سامری کے
فسانے سارے یہ بانکپن کے یہ سارے قصے ستمگری کے
فلک پہ اردو کے فق ہیں چہرے کبھی تو زہرہ و مشتری کے
نزاکتِ فکر و حسنِ بندش، سلاست و طرزِ دلربائی
ہر اک غزل میں ہیں ان کی روشن ہزار انداز دلبری کے
یہ آج شب ان کا ایسے آنا پھر انجمن میں غزل سنانا
عجب ہے کیا جو لبوں پہ قصے ہیں بختِ محفل کی یاوری کے
یہ سب میسر ہے جب تو سرور بھلا تعجب کی بات کیا ہے
اگر سبھی لوگ منتظر ہیں حفیظ تائب کی شاعری کے

امیر احمد خسرو:

وہ خواب شوق تھا اور یہ ہے خواب کی تعبیر
خوشا کہ محفلِ اردو کی کھل گئی تقدیر
حریمِ شعر میں باصد نیاز آئے ہیں
وہ جن کے رنگِ غزل کا ہے اک زمانہ اسیر
جو بات کہتے ہیں دل میں وہ بیٹھ جاتی ہے
قلم سے آپ سجاتے ہیں اس طرح تصویر
اک ایک حرفِ غزل گنجِ صد معانی ہے
ہر ایک شعر کتابِ حیات کی تفسیر
خموش ہو بھی جا سرور کہ اب وہ آتے ہیں
تخلص ان کا ہے خسرو تو نام نامی امیر

مرتضیٰ برلاس:

ہو گئی آج پوری سب کی آس
بجھ گئی اہلِ آرزو کی پیاس
ذکر ان کا ہے جن پہ نازاں ہیں
کیا خواص اور کیا عوام الناس
پھول اب وہ کھلیں گے غزلوں کے
کل تلک جو تھے زینتِ قرطاس
طرزِ نو میں بھی آپ رکھتے ہیں
شاعری کی روایتوں کا پاس
لیجئے آگئے زہے قسمت
بزمِ اردو میں مرتضیٰ برلاس

بشیر بدر:

نئی شراب نیا اپنا جام رکھتی ہے   نئے خیال نئی لے سے کام رکھتی ہے
بشیر بدر کے اشعار سے ہوا معلوم   نئی غزل بھی اک اپنا مقام رکھتی ہے

بشیر بدر:

انہیں یہ قیمتی جاگیر دے کر باغِ اردو کی   روش بندی سکھائی کس نے سرور باغِ اردو کی
نئی طرزِ غزل نے آپ کی جادو جگایا ہے   اُڑا کر لے گئی خوشبو یہ گھر گھر باغِ اردو کی
گذارش ہے کہ بدرِ خوش بیاں محفل میں آجائیں
کرائیں سیر کچھ ہم کو بھی آکر باغِ اردو کی

پیرزادہ قاسم:

غزل کا بانکپن اشعار کی جادوگری دیکھو   خیالوں کی دھنک ہے یہ کہ سحرِ سامری دیکھو
فسانے لالہ وگل کے وصال و ہجر کے قصے   بیاں کی چاشنی مضموں کی یہ جلوہ گری دیکھو
نظر آتا ہے جیسے آپ کے جامِ تغزل میں   اتر آئی ہے جانِ شاعری کی اک پرِی دیکھو
ہوئے ہیں پیرزادے مائلِ شعر و ادب سرور   غزل کے رنگ میں اندازوشانِ انوری دیکھو

محسن احسان:

آپ کے فن کا کرے کوئی تو کس طرح بیان   آپ سے بڑھ گئی اس بزم کی کچھ اور ہی شان
خوب ہیں ان پہ عیاں سارے نشیب اور فراز   فکر ہے جتنی بلند اتنا بیاں ہے آسان
روپ اور رنگ کی یہ آنکھ مچولی توبہ   شعر ہیں یا شفقِ گوہر و لعل و مرجان
یہ سلاست یہ حلاوت یہ خیال و بندش   آپ ہیں جانِ غزل اور غزل آپ کی جان
سرور اس طور سے ہم سب پہ یہ احسان ہے آج   جلوہ افروز ہوئے بزم میں محسن احسان

محسن بھوپالی:

کیا سراہوں آپ کے فن کو یہاں یہ حال ہے   آپ کے دم سے زمینِ شعر مالا مال ہے
مختصر الفاظ میں لاکھوں کی کہہ جاتے ہیں بات   کتنی تفصیلوں پہ بھاری آپ کا اجمال ہے
ان کا اندازِ تخیل ان کا اندازِ بیاں   لفظ گر سُر ہے تو ہر مصرع سراپا تال ہے
شاعری کا ان کی ہر اک بندہء بے دام ہے   ہے غزل کب دوستو، اک خوبصورت جال ہے
بزمِ اردو سے تعارف اس طرح سرور کروں   ہے تخلص آپ کا محسن وطن بھوپال ہے

ملک زادہ منظور احمدؔ:

اپنے جنوں نے دیکھئے کیا دن دکھائے ہیں   تکتے تھے جن کی راہ وہ تشریف لائے ہیں
ان کی غزل سے رنگ ملا باغِ شعر کو   اردو ادب میں کیا ہی نئے گل کھلائے ہیں
سوز و گداز شعرِ غزل میں ہے اس طرح   جیسے گلوں کی اوٹ میں کانٹے بچھائے ہیں
یہ شعر ہے کہ شیشہ گری کا کمال ہے   مصرع ہے یہ کہ جذب کے دریا بہائے ہیں
منظور کو تھی سب کی ہی منظور دل دہی   سرور جبھی تو آج وہ محفل میں آئے ہیں

ندا فاضلی:

سب ان کو شاعرِ رنگ و بہار کہتے ہیں   زمینِ شعر کے ہیں زر نگار کہتے ہیں
بیان ان کی ہے جاگیر تو زباں باندی   غزل پھڑکتی ہوئی جاندار کہتے ہیں
ہر ایک لفظ ہے نکھرا ہوا سلاست سے   ہے ان کے شعر میں کیسا وقار کہتے ہیں
بلایا جائے ندا فاضلی کو اے سرور   سبھی ہیں ان کے لئے بیقرار کہتے ہیں

کوثر سلیم:

کٹ گیا وہ وقتِ صد امید و بیم   آگیا ہنگام ہر لطف عمیم
دیدنی ہے آپ کا رنگِ کلام   کیا نیا انداز، کیا طرزِ قدیم
لالہء شاداب مصرع ایک ایک   اور غزل مانندِ خوشبوئے نسیم
فکر، جذبِ دل، نظر، طرزِ ادا   نظم ہے یا اک خزانہ یہ عظیم
تھام کر بیٹھیں جگر اربابِ ذوق   بزمِ اردو میں غزل خواں ہیں سلیم

کرشن بہاری نور:

منتظر یوں جو ہیں سب، بات تو کوئی ہے ضرور   کس لئے بزم پہ ہے آج کی شب کیف وسرور
شاعری آپ کے کردار کا آئینہ ہے   پیچ انداز میں کوئی نہ طبیعت میں غرور
لوگ کہتے ہیں کہ پرسوز ہے ان کا ہر شعر   اور غزل ان کی سراسر ہے حلاوت سے چور
مٹ گئے کیسے سبھی ان کی غزل خوانی سے   رنجِ دنیائے دنی، فکرِ وغمِ حور و قصور
فیض سے ان کے بھلا کون بچا ہے سرور   نام سے کرشن بہاری ہیں، تخلص سے نور

اوم پرکاش بجاج:

مدتوں کی امید بر آئی   آج صورت ہے اک نظر آئی
آپ نظم و غزل کی عز و جاہ   آپ ملکِ سخن کے شاہنشاہ
ہوں بیاں کیا جناب کے اوصاف   ان کی باندی ادب کی سب اصناف

باب تنقید عرصہء تحقیق   آپ نے کی ہر ایک کی توثیق
بات آ ہی گئی زباں پر آج   کیسے رہتا خموش سرور آج
ہو گیا تھا جو راز آخر فاش   شہ نشیں بزم میں ہیں اوم پرکاش

گلنار آفریں:

غزل کیا اور غزل کا مدعا کیا   بیانِ عشق کیا حسن ادا کیا
نگینوں کی طرح سے جڑ دیئے ہیں   کئے ہیں نظم یوں مضمون کیا کیا
حلاوت سادگی بندش تفکر   تعارف میں کراؤں آپ کا کیا
تکلف برطرف میں صاف کہدوں   کلامِ آفریں کا پوچھنا کیا

وسیم بریلوی:

اشعار کی یہ دلبری انداز کی جادوگری
یہ شاعری ہے صرف یا سرور کہ سحرِ سامری
کیا خوب ہے حسنِ بیاں پھر اس پہ یہ پیاری زباں
ہاں اس کو کہتے ہیں غزل یہ شاعری ہے شاعری
کیا شورشِ جذبات ہے جذبات کی کیا بات ہے
گہ انکسار و عجز ہے، گاہے شکوہِ نادری
نازک ادا ہر شعر ہے نازک ہر اک مضمون ہے
جی میں ہے ان سے سیکھئے افکار کی شیشہ گری
وابستہ ان کے نام سے اردو غزل کا نام ہے
جاگا انہیں کے لحن سے اردو کا بختِ خاوری
امید بر آئے مری سرور، وسیم خوش بیاں
محفل میں گر آجائیں اب ازراہِ بندہ پروری

شمیم جے پوری:

کیوں ہو سرور مجھے اندیشہ و خوفِ ترمیم   میرا دعویٰ ہے فقط فیصلہء عقلِ سلیم
خود ہے اپنی ہی مثال آپ کی ہر صنفِ کلام   نظم ہے آپ کی جاگیر غزل ہے اقلیم
آپ کا رنگِ غزل سوزِ بیاں کیا کہنا   ذوق پاکیزہ اگر آپ کا تو فکر سلیم
آپ کے شعر ہیں بھاری کئی دیوانوں پر   آپ کا حسنِ بیاں مستحق صد تکریم
اِس طرف گر ہے بپا شورشِ افکارِ جدید   اُس طرف دیکھئے صد رنگیء اندازِ قدیم
موجبِ رشک ہے خوش بختیء بزمِ اردو   مرحبا شوق و جنوں مرحبا الطافِ شمیم

منظر بھوپالی:

اندازِ بیاں وہ شائستہ، اسلوب و زباں وہ ٹکسالی
ہر طرزِ ادا جانی بوجھی ہر صنفِ سخن دیکھی بھالی
کیا ذکر حلاوت کا سرور کیا چرچا حسنِ سلاست کا
الفاظ کا جادو کیا کہئے مضمون بھی اک سے اک عالی
اشعار ہیں یا موتی کی لڑی پھر بات بھی اک سے ایک بڑی
جب فن کا ہو یہ حال تو پھر کیوں جائے وار کوئی خالی
بہتر ہے تعارف ختم کریں اور غور سے ہم سب ان کو سنیں
اب لیجئے بزمِ اردو میں آتے ہیں منظر بھوپالی

اظہر عنایتی:

کیسا دلکش ہے نقطہء آغاز   بزمِ اردو میں یہ نئی آواز
ناز بردار گیسوئے اردو   رازدانِ حریم سوز و ساز
کیا ہو تعریف آپ کی سرور   خوب ہے شعر خوب ہے انداز
شاعری ان پہ ناز کرتی ہے   فکر گہری، بلند ہے پرواز
اب اگر ہو عنایت اظہر   ہم پہ کھل جائیں زندگی کے راز

نکہت بریلوی:

کیا حسن کے طریقے کیا طور عاشقی کے
کیا گل رخی کے چرچے کیا ذکر دلبری کے
مضموں اگر نیا ہے، عنوان ہے نرالا
کیا بیخودی کے قصے، کیا ذکر آگہی کے
کس کس طرح انہوں نے سب حق ادا کئے ہیں
اردو کی آبرو کے، آدابِ شاعری کے
پھر کیوں نہ آج کی شب جی بھر کے ان سے سیکھیں
دل کی لگی کی باتیں، انداز دل لگی کے
بھیگی ہے رات سرور بہتر ہے خامشی اب
سب لوگ منتظر ہیں نکہت بریلوی کے

صبیحہ صبا:

حیراں غزل پہ سب تھے یہ کس خوش ادا کی ہے
ناآشنا کی ہے کہ کسی آشنا کی ہے
رنگت ہے گل کی اس میں تو لالہ کا ہے نکھار
شوخی جو ہے تو صبح کی تازہ ہوا کی ہے
کیا کیا نہیں ہے شعر میں سامانِ زندگی
قصہ جفا کا ہے تو کہانی وفا کی ہے
یہ شاعری ہے صرف کہ جادوگری ہے یہ
شہرت جہاں میں کس کی یہ طرزِ ادا کی ہے
سرور نے کہہ کے کھول دیا راز بزم میں
دل تھامئے غزل یہ صبیحہ صبا کی ہے

حباب ترمذی:

کچھ ذکرِ محبت ہو کچھ رنگِ شباب آئے
مینائے غزل چھلکے، شعروں کی شراب آئے
ہر دل میں تمنا کی اک آگ سی لگ جائے
نے ضبط کا یارا ہو، نے صبر کی تاب آئے
گل ریزی و مستی ہو، شوخی ہو، مسرت ہو
پازیبِ جنوں چھنکے اور چنگ و رباب آئے
بیتابیء محفل کا کیا ذکر کروں سرور
آوازہء ہر دل ہے آئے وہ حباب آئے

عزیزالحسن عزیز:

انقلاب آتے ہیں اور آ کے گذر جاتے ہیں
جب کہیں آپ سے فنکار نظر آتے ہیں
دشتِ اشعار میں سرگرداں ہیں جانے کتنے
ان کے اندازِ تخاطب کو کہاں پاتے ہیں
لوگ جس بات کا افسانہ بنادیتے ہیں
چند الفاظ میں وہ بات یہ کہہ جاتے ہیں
سادگی سوزِ بیاں حسنِ زباں فکر و نظر
اپنی غزلوں کے ہر اک شعر سے برساتے ہیں
منکسر ایسے طبیعت کے کہ اللہ اللہ
لوگ اک بیتے ہوئے عہد کے یاد آتے ہیں
''آپ سے مل کے عزیز ایسے شجر یاد آئے
جتنے پھل دار ہوں اتنے ہی وہ جھک جاتے ہیں''

عزیزالحسن عزیز:

حسرت تھی زمانہ سے محفل میں کوئی آئے
اور اپنی غزل سے اک جادو سا جگا جائے
سرشارِ جنوں کردے ہر رند بلاکش کو
میخانہء اردو کا وہ جام پلاجائے
کچھ رنگِ زباں بھی ہو کچھ طرزِ بیاں بھی ہو
ہنستے ہوئے شعروں سے وہ پھول کھلا جائے
گہ قصہء دوراں ہو گہ ذکرِ غمِ ہجراں
جذبات کی گرمی سے اک آگ لگا جائے
مشکل ہی سے آتا ہے سننے میں کلام ایسا
''جو قلب کو گرمائے جو روح کو تڑپائے''
صد شکر ہوئی پوری یہ حسرتِ دیرینہ
اک شور ہے محفل میں سرور کہ عزیز آئے

حنیف اخگر ملیح آبادی:

کریں کیا عرض ہم اے بندہ پرور
سنا کرتے تھے جن کا ذکر اکثر
ہمارے درمیاں محفل نشیں ہیں
مقدر دیدنی ہے آج سرور
تغزل کا ہو ان کے ذکر کیا کیا
تخیل؟ وہ بھی اک سے ایک بڑھ کر
لطافت سادگی نازک خیالی
روانی ہے کہ یہ ہے موجِ کوثر
تکلف برطرف اب خود ہی سن لیں
بیاں ہو کس طرح اندازِ اخگر

شبنم رومانی:

کیا شک ہے کہ یہ دنیائے دنی اے دوست ہے بس آنی جانی
ہوتے ہیں لمحے چند مگر ہم سب کے لئے ہی لافانی
دنیائے غزل میں نام جو ہے اس درجہ بڑا ان صاحب کا
کیا فکر و نظر کیا حسنِ ادا اک ایک کی دنیا دیوانی
اشعار سے یہ ہر محفل میں اک آگ لگایا کرتے ہیں
پرکھو تو ذرا اندازِ سخن دیکھو تو یہ آتش سامانی
مقبولِ جہاں ہے ان کی غزل تو حیرت کی کیا بات ہوئی
ہیں فیض اگر یہ بندش میں، شوخی میں ہیں حسرت موہانی
میں عرض کروں سرور کیا کیا، بہتر ہے یہی خاموش رہوں
صد شکر کہ آج اس محفل میں موجود ہیں شبنم رومانی

راحت اندوری:

خوشا وقتے کہ محفل میں بپا شورِ قیامت ہے
کسی جادو بیاں شاعر کی آمد کی علامت ہے
کوئی مضموں ہو یہ اس کو ادا خوبی سے کرتے ہیں
غزل ان کی سراپا مظہرِ حسنِ سلاست ہے
زباں میٹھی ہے طرزِ فکر سلجھا ہے بیاں سادہ
ہر اک مصرع میں مستی اور شوخی ہے حلاوت ہے
اگر انداز شائستہ ہے تو لہجہ شریفانہ
شرافت ہی شرافت ہے نفاست ہی نفاست ہے
تعارف یوں ہے سرور دیکھئے اس شام محفل میں
وطن اندور ہے ان کا تخلص ان کا راحت ہے

انجم رہبر صاحبہ (بیگم راحت اندوری):

ذکر جن کا ہوا کرتا تھا یہاں پر اکثر
بزم کی شان بڑھادی ہے انہوں نے آکر
کوئی دیکھے تو یہ نیرنگیء اظہارِ خیال
جتنی تعریف ہو اشعار کی کم ہے سرور
رنگ و آہنگ سے جادو سا جگا رکھا ہے
فکر و اندازِ غزل ایک سے اک ہے بڑھ کر
جو بھی سنتا ہے اسے سن کے گماں ہوتا ہے
بن کے آواز اتر آئی ہے موجِ کوثر
آیئے بیٹھ کے حاصل کریں راحت ان سے
جلوہ افروز ہیں جو بزم میں انجم رہبر

عباس تابش:

پوری ہوئی ہے مدت کی خواہش
اے میرے داور تیری نوازش
ان کی غزلِ سے تازہ ہوئے ہیں
فرمانِ ناسخ، دیوانِ آتش
خاموش سرور اب آرہے ہیں
بزمِ سخن میں عباس تابش

امجد اسلام امجد:

شہرِ اردو میں بہت آپ کا مشہور ہے نام
شاعری جھک کے کیا کرتی ہے ان کا اکرام
سوز میں، ساز میں،انداز میں، خوشِ گوئی میں
معترف ایک زمانہ ہے، نہیں کوئی کلام
کیا عجب آپ نے رکھا جو تخلص امجد
نام نامی بھی تو ہے آپ کا امجد اسلام

قمر رئیس:

مداح سب ہیں آپ کے کیا غیر کیا انیس
مجھ سے نہ حق ادا ہو میں ایسا نہیں خسیس
اک دم جدا زمانہ سے ان کا کلام ہے
ہم پلہ کوئی ہے نہ کوئی آپ کا جلیس
یہ سادگی پھر اس پہ مضامین یہ بلند
انداز کی جو پوچھئے تو اک سے اک نفیس
تحسین و آفریں کو بھلا ایک بات ہے
مضموں نرالے طرز جدا اور زباں سلیس
ماہِ سخن ہیں اور رئیس الغزل ہیں یہ
جب ہی تو نام آپ کا ٹھیرا قمر رئیس

قمر نقوی:

انہیں کا حکم چلتا ہے انہیں کی حکمرانی ہے
غزل ان کی سراپا اک نفاست کی نشانی ہے
پرانی اور نئی طرزِ سخن مرغوب ہیں دونوں
سلاست ہی سلاست ہے روانی ہی روانی ہے
ادھر ہیں ہجر کے قصے اُدھر ہیں وصل کی باتیں
کبھی یہ اشک باری ہے کبھی یہ گل فشانی ہے
غزل میں رنگ سرور آپ نے کیا کیا نکالے ہیں
اُدھر دنیا کے افسانے اِدھر اپنی کہانی ہے
زمانہ دیکھ کر ہے دنگ اندازِ قمر نقوی
وہ سج دھج ہے کہ گویا آگ پانی میں لگانی ہے

رئیس واسطی:

ندرتِ فکر و نظر اس پہ یہ اندازِ نفیس
بانکپن آپ کی غزلوں میں برنگِ برجیس
ان کی کوشش سے بہت نام ہے اردو کا بلند
خادمِ شعر سخن سنج یہ اردو کے انیس
ملکِ شعرو ادب ان سے جو ہوا مالامال
کیوں نہ مشہورِ جہاں یہ ہوں بہ القابِ رئیس

آشفتہ چنگیزی:

کیا بات ہے محفل میں سرور کیوں شور ہے اس درجہ برپا
ہر دل میں ہے کیوں بس اک قصہ، ہر لب پہ ہے کیوں بس اک چرچا
بیتاب ہیں سننے کو شائد اربابِ سخن اس شاعر کو
نظموں میں ہے جس کے ایک کشش غزلوں میں ہے جس کے جادو سا
الفاظ میں کیا، کیا بندش میں، کیا فکر و نظر کیا مضموں میں
اسلوب انوکھا ہے جس کا، انداز نرالا ہے جس کا
ہے وقت کہ ہم سب دل تھامیں اور غور سے اس کو خوب سنیں
چنگیز سے جس کو نسبت ہے اور نام ہے جس کا آشفتہ

رشیدہ عیاں صاحبہ:

اہلِ دل، اہلِ سخن، اہلِ زباں اور بھی ہیں
منزلِ شعر میں قدموں کے نشاں اور بھی ہیں
میکدہ کب ہوا رندوں سے غزل کا خالی
میگسار اور بھی ہیں، پیرِ مغاں اور بھی ہیں
شمعِ اردو کے یہی چند نہیں پروانے
سر ہتھیلی پہ لئے شعلہ بجاں اور بھی ہیں
یہ حقیقت ہے یقیناً ہے ولیکن سرور
دہر میں یہ کہو مانند عیاں اور بھی ہیں؟

خواہ مخواہ حیدر آبادی:

طبع حساس ہے بھر پور نگاہ
منفرد شاعری میں ان کی راہ
گل کھلاتے ہیں یہ خونِ دل سے
نظم بھی خوب غزل بھی دلخواہ
دھوپ اور چھاؤں کا اک کھیل ہیں شعر
آہ اک گاہ ہے اور گاہے واہ
الٰہ باد سے گر تھے اکبر
حیدرآباد سے ہیں خواہ مخواہ

پاپولر میرٹھی:

کیا مزہ آئے وہ آجائیں سرِ محفل اگر
راہ جن کی تک رہی ہے بزمِ اردو اس قدر
اپنے فن سے آپ نے ڈھالے نہ جانے کس طرح
خندہ ء بے ساختہ میں اشک ہائے چشمِ تر
دل غمِ انساں سے ان کا ہر گھڑی ہے داغ داغ
اور حالاتِ زمانہ پر بھی ہے گہری نظر
آپ کے اشعار سے سرور یہی ثابت ہوا
''پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر''
شہرت و تہمت کی منزل سے گذر کر آئے ہیں
محفلِ احباب میں میرٹھ سے حضرت پاپولر